www.khanqah.in

حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ چھِ فرماوان:

دود ترأوِتھ آب یُس مندے
سُے سمسارَس کندے زاو
پَریہ پان یُس ہِوُے وَندے
سُے ہَبا سندے تِرُتھ دژاو

جو بے وقوف دودھ کو چھوڑ کر پانی پھینٹتا رہے وہ دُنیا میں ناکام ونامراد رہا۔ اس کے برعکس جس نے اپنے اور بے گانے کو ایک ہی نظر سے دیکھا۔ جو اپنے لئے چاہا وہی دوسرے کیلئے بھی پسند کیا۔ وہ کامیابی کی منزل تک جا پہنچا۔

Visit us at: www.khanqah.in

مبلغ

ہفتہ وار

اشاعت کا چودھواں سال
14th year of Publication

The Weekly **MUBALLIG**
Srinagar Kashmir

سرینگر کشمیر

قیمت صرف 3 روپے

27 /دسمبر 2013ء جمعۃ المبارک 23 صفر ۱۴۳۵ھ جلد نمبر: 14 شمارہ نمبر: 46

آزادئ نسواں کے نعرہ میں خواتین کی مکمل بے عزّتی

تاریخ انسانی میں کبھی اتنی بے عزّتی نہ ہوئی ہوگی

مولانا اسرار الحق قاسمی

عالمی سطح پر ایک تجزیاتی نگاہ ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں تیزی کے ساتھ تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں، وہ لوگ جو عیش وعشرت کے دلدادہ ہیں اور مادیت پسند ہیں وہ پوری انسانی سوسائٹی، ڈھانچہ کو تبدیل کرنے کیلئے شب وروز ایک ہوئے ہیں اور اخلاقی، روحانی، مذہبی اور انسنی اقدار کو مٹانے پر کمر بستہ ہیں، اخلاق، مذہب اور روحانیت کے خلاف جو کوششیں کی جارہی ہیں ان کی تاریخ، گذشتہ دو تین صدیوں پر محیط ہے، ابتداءً جن عناصر نے مذہب اور اخلاقیات کے اخلاف آواز بلند کی، اُن کی آواز بہت مدھم تھی اور اس پر کوئی توجہ دینے کیلئے تیار نہ تھا، لیکن کچھ ہی وقت کے بعد مذہب اور اخلاق کے خلاف اُٹھنے والی آواز مقبولیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مبصرین کے مطابق اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہی کہ کلیسا کی سخت نظام نے لوگوں کو مذہب بیزار بنادیا اور کلیسا کے سخت رویہ سے لوگ اتنے بددِل ہوگئے کہ وہ کسی بھی طرح اس نظام سے آزادی چاہتے تھے، اس موقع کا پورا پورا فائدہ ان لوگوں کو حاصل ہوا جو مذہب بیزار تھے، انہوں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے، مذہب اور اخلاق کے خلاف آواز بلند کرنی شروع کردی اور ایسے نظریات پیش کیے جو انسانی ومذہبی اقدار کے خلاف تھے، ڈاروِن نے تخلیق انسان کے سلسلہ میں جو نظریۂ ارتقا پیش کیا، اسی کو بنیاد بناتے ہوئے بعد کے مذہب بیزار مفکرین نے مذہب کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کیلئے مختلف قسم کے نظریات پیش کیے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کارل مارکس، ڈرکایم اور فرائڈ نے اگرچہ الگ الگ موضوعات سے بحث کی لیکن ان تمام شخصیات کی بحثوں اور نظریوں کا نتیجہ انسانی واخلاقی اقدار کی مخالفت کی صورت میں نظر آتا ہے۔

چند صدیوں کے بعد منظر نامہ یکسر تبدیل ہوگیا اور مذہب بیزار لوگوں کی تعداد حیران کن حد تک بڑھ گئی، یہاں تک کہ وہ لوگ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، جو مذہب سے وابستہ تھے، آج جب دُنیا ۲۱ویں صدی میں داخل ہوچکی ہے تو ہر طرف جدیدیت کا شور شورہ ہے، اور مذہبی واخلاقی اقدار کو فرسودہ خیال کیا جارہا ہے، یہ سوچ دُنیائے انسانیت کو تباہی کی طرف لے جارہی ہے۔

عورت جو قابل احترام ہے، اس کی حرمت کو پامال کرنے کیلئے آزادئ نسواں کا نعرہ دیا جارہا ہے، اگرچہ یہ نعرہ مغربی ممالک میں بہت پہلے مقبول ہوچکا ہے لیکن مشرقی ممالک میں بھی اب اس کی مقبولیت میں آئے دِن اضافہ ہوتا جارہا ہے، مغرب کے دلدادہ لوگ جو اس نظریہ کے حامل ہیں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس عورت کو زمانہ قدیم سے انتہائی حقیر خیال کیا جاتا تھا اسے چہار دیواری میں قید کرکے رکھا جاتا تھا، اس کے ساتھ ظلم وتشدد کیا جاتا تھا، آزادی نسواں کا نعرہ ان کو ہزار ہا سال کے مظالم سے نجات دلانے اور ان کو ترقی کی دوڑ میں آگے لے جانے کیلئے بلند کیا جارہا ہے، عجیب بات یہ ہے کہ دوررس نتائج سے باخبر خواتین نے بھی یہ خیال کرنا شروع کردیا ہے کہ وہ بھی زندگی کے ہر میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، پھر وہ گھر کے اندر کیوں بند رہیں اور کسی ایک شخص کی خدمت کرکے اپنی قیمتی زندگی کیوں ضائع کریں؟

جبکہ یہ سوچ غلط ہے آزادی نسواں کے نعرہ نے خواتین کی جو بے حرمتی کی ہے، اسے پہلے انسانی تاریخ میں کبھی ان کی اتنی بے عزتی نہ ہوئی ہوگی۔ دکانوں میں، بازاروں میں، ہوٹلوں میں، کلبوں میں یہاں تک کہ دفتروں میں ان سے وہ کام لیے جاتے ہیں جو ان کے مقام میں اضافہ نہیں کرتے بلکہ اُن کی عزت کو گھٹاتے ہیں، چند فیصد خواتین کو چھوڑ کر زیادہ تر خواتین سے نچلی سطح کے کام لیے جارہے ہیں، کمپنیوں میں انھیں استقبالیہ میں بٹھایا جاتا ہے تاکہ وہ آنے والے فونوں کو سنیں اور ان کو لچکدار آواز میں جواب دیں، آنے والے مہمانوں کے استقبال کیلئے بھی عورتوں ہی کو منتخب کیا جاتا ہے، شوروموں میں نوجوان لڑکیوں کو بٹھایا جاتا ہے، تاکہ گراہک ان کی خوبصورتی کو دیکھ کر وہاں آئیں۔ اخباروں میں ان کی عریاں تصاویر شائع کی جارہی ہیں تاکہ نوجوان میں اخبار کی مقبولیت بڑھے، ٹی وی پر ایسے اشتہارات میں بھی ان ہی کو لیا جارہا ہے، جن کا خواتین سے کوئی تعلق نہیں ہے، غرض کہ خواتین کی ہر جگہ بے حرمتی کی جارہی ہے۔

آزادی نسواں کی بڑھتی مقبولیت کا ایک خطرناک پہلو یہ سامنے آیا ہے کہ جب سے خواتین نے گھر سے باہر نکلنا شروع کردیا، آفسوں میں، ہوٹلوں میں، کمپنیوں میں ملازمتیں کرنی شروع کردیں، خاندان تباہ ہونے لگے، وہ عورتیں جو شادی شدہ ہیں اور مردوں کے درمیان ملازمتیں کرتی ہیں، وہ اتنی زیادہ بے جھجک ہوجاتی ہیں کہ انھیں غیر مردوں سے بات کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ ہی نہیں ہوتی۔ جب شام کو گھر لوٹتی ہیں، تو گھر میں بھی آفس کی باتیں کرتی ہیں، ان کے پاس مختلف لوگوں کے فون بھی آتے ہیں، شوہروں کو یہ بات گراں گزرتی ہے اور وہ اپنی بیویوں کو مردوں سے محتاط رہنے کیلئے کہتے ہیں، لیکن ان کے اوپر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شوہر کا شک بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ان دونوں کے مابین دراڑیں پیدا ہوجاتی ہیں، اس طرح کی مثالیں آج کل آئے دِن سامنے آرہی ہیں۔ آزادئ نسواں کی دلدادہ عورتوں میں ایک رجحان یہ بھی پرورش پارہا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کو اپنے برابر سمجھتی ہیں، بلکہ کبھی کبھی اپنے آپ کو ان کے مقابلے میں زیادہ اعلیٰ سمجھنے لگتی ہیں، یہ بات بھی میاں بیوی کے درمیان ٹکراؤ کا باعث بن جاتی ہے، وہ عورتیں جو ملازمتیں نہیں کرتیں، گھروں پر رہتی ہیں مگر ان کے شوہر کسی آفس یا کمپنی میں ملازمتیں کرتے ہیں، وہ اپنے شوہروں کے بارے میں شک کرنے لگتی ہیں، بسا اوقات ان کا یہ شک محض اسلئے ہوتا ہے کہ جہاں ان کے شوہر کام کرتے ہیں، وہاں خواتین بھی کام کرتی ہیں اور ان کو کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کے شوہر عورتوں سے بات چیت تو نہیں کرتے، اگر شوہر کسی وجہ سے دیر سے پہنچتے ہیں تو ان عورتوں کے ذہن میں یہی بات آتی ہے کہ اگر کبھی وہ اچھے کپڑے پہن کر جاتے ہیں تب بھی ان کے ذہن میں شکوک جنم لیتے ہیں، یہ صورت حال گھر کے خوشگوار ماحول کو تناؤ میں بدل دیتی ہیں۔

اس سے بھی زیادہ آزادی نسواں کے نعرہ کا اثر ان خواتین پر پڑ رہا ہے جو ابھی غیر شادی شدہ ہیں، کم عمری کی وجہ سے انکے بھٹکنے کے اور زیادہ امکانات بڑھ رہے ہیں، بڑے پیمانہ پر ان میں ماڈل بننے کا شوق پیدا ہورہا ہے، کیمرہ کے سامنے آنے کیلئے بھی وہ بے تاب دکھائی دیتی ہیں، فیشن کے معاملہ میں تو وہ حد سے زیادہ آگے بڑھ رہی ہیں، نوجوان لڑکیوں کے اس حد تک آزادانہ ماحول سے بھی خاندانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہورہے ہیں، وہ لوگ جو مہذب ہیں، ان کیلئے یہ صورتحال انتہائی پریشان کن ہے، معاشرہ کے بگڑتے ماحول سے وہ اپنی لڑکیوں کے بارے میں انتہائی فکرمند ہیں، ان کی راتوں کی نیند اُڑی ہوئی ہیں، کیسے اپنی بچیوں کو اس بگڑتے ہوئے ماحول سے محفوظ رکھیں؟ اس سوال کا جواب ڈھونڈنا ان کیلئے مشکل ہورہا ہے، آزاد خیال لڑکیاں جب شادی شدہ ہوجاتی ہیں پھر جب ان کے شوہروں کو ان کی پچھلی کہانیوں کے بارے میں علم ہوتا ہے تو ازدواجی زندگی انتہائی خطرناک رُخ اختیار کرلیتی ہے، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آزادی نسواں کا نعرہ پورے سماج کیلئے اور خاص طور سے خواتین کیلئے کتنا نقصان دہ ثابت ہورہا ہے۔

ضروری گذارش: محترم قارئین کرام! یہ اخبار عام اخباروں کی طرح نہیں، اسلئے اس کا اَدب واحترام ہمیشہ قارئین پر واجب ہے۔ مدیر

نہ تو انگریز بنے ہم اور نہ.....

محمد شاہد الاسلام قاسمی

افسوس اس فتنہ عظیم کی بھی ابتدا ہوگئی اور بڑی تیزی کیساتھ یہ سیلاب اُمنڈ رہا ہے۔ ہم نے جب غیر اقوام کی عورتوں کو زینت آرائے محفل اور بازاروں کی رونق افزا دیکھا تو اِن ظاہری مناظر سے متاثر ہوکر نا عاقبت اندیشی سے کام لیا اور بلا خوف وخطر اپنی بہو بیٹیوں کو اس دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا۔ یہ چنگاری وقتی طور پر ضرور خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ مگر انجام کار جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ عورت ایک گوہر بے بہا تھی جس سے مقصود شوہر کی روحانی تسکین تھی مگر اس نے منظر عام پر آکر اپنی تمام قیمت کو کھو دیا۔ یورپ مادہ پرست ہے وہ اس روحانی جوہر کی کیا قدر کرتا۔ چنانچہ مادی فوائد اور منافع کی خاطر جنس لطیف کو برسر بازار رسوا کیا۔ مسلمان کہلانے والے یورپ زدہ طبقے نے اس حیا سوز اور عبرت شکن چلن میں بھی تقلید کی انہوں نے اپنی بیوی اور بہو بیٹیوں کو ایک بازاری جنس بنانا گوارا کیا اور ایک ''صلائے عام'' شروع ہو گئی کہ قومی ترقی اس کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ مگر سب نے دیکھ لیا کہ شرافت اور اسلامیت تو ہاتھ سے گئی ہی تھی اور قوم نے بھی کوئی ترقی نہیں کی۔

نہ تو انگریز بنے ہم نہ مسلمان رہے
عمر سب مُفت میں کھویا کئے نادان رہے
(اکبر الہ آبادی)

جس کی نگاہیں سیکنڑوں کا انتخاب کرتی ہوں اور ہزاروں نگاہیں اس کی حسن وخوبی کو چراتی ہوں وہ کبھی ایک کی ہوکر نہیں رہ سکتی۔ ایک کا ہوکر رہنے کی اولین شرط یہ ہے کہ غیر سے نگاہیں بند ہوں۔ جب غیر نگاہوں کے ذریعہ دل میں اتر گیا اور ضرور اُترے گا بلا قصد اور ارادہ کے اُترے گا تو پھر لطیف یکتائی کہاں رہا؟ جب حقیقی لطف ہی نہیں تو تسکین روح واطمینان خاطر کیوں کر نصیب ہو؟ یہی وجہ ہے کہ جو سکون وقرار گھر کے چار دیواری میں نصیب ہوتا تھا وہ آج بے قراری اور بے اطمینانی سے بدل گیا اور گھر بجائے راحت کدے کے غم کدے بن گئے۔ اگر گھریلو زندگی کا لطف کہیں ہے تو انھیں گھرانوں میں جو خوش قسمتی سے اس تہذیب وترقی سے دور ہیں۔

سخت حیرت عورتوں کی کج فہمی پر ہے کہ وہ اپنی اس ذلت ورسوائی کو ترقی اور آزادی سمجھ رہی ہے۔ اسلام نے بیوی کو شوہر کے دل کی مِلکہ اور گھر کی مالکہ بنایا تھا۔ مگر اب اس کی حیثیت تفریحی کھلونے سے زائد نہیں۔ جب دل بھر گیا بیکار کر پھینکا یا پھر ایک خوبصورت تصویر ہے جس سے شوہر کے احباب دل بہلائیں۔ اگر یہی اس جنس کی دل ارزانی رہی تو پھر وہ وقت کچھ دور نہیں جب اس جنس کے خریدار بہت ہونگے مگر قدر دان کوئی نہیں ہوگا۔ یورپ کی سرزمین اس کی زندہ مثال ہے۔

یہ صرف اس امور کی جانب اجمالی اشارہ ہے۔ اس قسم کی اور بھی وجوہ بیان ہوسکتی ہیں اور ان سے بڑھ کر خرابیاں ان سے پیدا ہو رہی ہیں لیکن علاج کا ارادہ کرنیوالوں کیلئے انہی امور پر غور کر لینا بھی کافی ہے۔

اسلام نے ایک نرالا نظریہ زندگی، انوکھے جذبات اور رجحانات انسانوں کو عطا کئے تھے جو ملکوتی اور جبروتی تھے اور سراسر روحانیت تھے اور ساری مادیت اس روحانیت کے تابع اور مطیع وفرمابردار تھی اور یہی معیار تھا شرافتِ انسانی کا اور امتیازی شان تھی ایک مسلمان کی۔ مرورِ زمانہ اپنی غفلت و مدہوشی سے زنگ آلود ہو گئے۔ ایسی حالت میں سابقہ پڑا مادہ پرست قوم سے وہاں جو کچھ تھا سب مادی تھا روحانیت کا شائبہ تک نہ تھا۔

نظریہ زندگی، جذبات مادی، رجحانات مادی، خیالات مادی غرض ہر شے اسلامی نظریات کے مخالف اور متضاد تھی۔ اسلامی نظریات پہلے ہی سے زنگ آلود اور نگاہوں سے اوجھل تھے۔ ہم نے بجائے اس کے کہ انکو صیقل کرتے اور جلا دیتے ان مادی نظریات کو اپنا لیا اور اتنا اپنا لیا کہ بالکل ان کے ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ روحانی نظریات اس قدر زنگ آلود ہو گئے کہ اب ان کا وجود عدم برابر ہے۔ اور اس میں اور مادہ پرستوں میں کوئی امتیاز نہ رہا لامحالہ ہم بھی وہی کرنے لگے جو ان کو کرنا تھا۔ جب ہمارے دل ودماغ کے سانچے ہی بدل گئے تو اپنی ہر چیز بدنما معلوم ہونے لگی۔ اب جو کچھ دیکھتے ہیں غیروں کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں غیروں کو دیکھ کر کرتے ہیں۔ اپنی سب ادائیں کھو گئیں اور اسلامیات ساری کی ساری چھوڑ دی گئیں۔ اگر کچھ اسلامی باتیں باقی ہیں تو محض رسمی طور پر۔

ظاہر ہے کہ اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ زندگی کے رخ کو بدلا جائے اور ان زنگ آلود جواہرات کو صیقل کیا جائے۔ اگر معیار زندگی کو نہ بدلا گیا تو اپنے مٹے ہوئے نشانات کا پانا دشوار ہوگا۔ جب دیکھنے والی نگاہیں نہ ہوں گی تو دکھائی کیسے دیں گی؟ اگر کوئی بتانے والا بتائے گا بھی تو دل اس کو قبول نہ کرے گا اگر دل پر بھی جبر کر لے گا تب بھی سخت دشواریوں کا سامنا ہوگا۔ دونوں نظریات بالکل مخالف اور متضاد ہیں۔ دو متضاد چیزوں کا جمع ہونا محال، اس لئے قدم قدم پر ٹکراو ہوگا اور سخت مشکل اور کشمکش آئے گی۔ پس سہل ترین تدبیر یہی ہے کہ اس نظریہ زندگی کو چھوڑا جائے اور اسلامی نظریات کو اختیار کیا جائے۔ پھر بھلائی اور بُرائی کی اصلی حقیقت واضح ہوگی اور طبیعت خود بخود بھلائی کی خوگر اور بُرائی سے متنفر اور بیزار ہوگی۔

اس کیلئے کسی بڑے ایثار یا قربانی کی ضرورت نہیں نہ جاگیروں اور زمینوں کو چھوڑنا ہوگا، نہ ملازمتوں اور تجارتوں کو برباد کرنا ہوگا، نہ مال وزر کا صرفہ ہوگا، نہ کوئی محنت ومشقت کا کام۔ صرف دل کی دنیا بدلنی ہے اور نیت اور ارادہ کو ٹھیک کرنا ہے۔ جو کام طبعی خواہش کے تقاضے سے کیا جاتا ہے۔ وہی کام خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنیکے لئے اس کے حکم کے موافق کرنا ہوگا۔ کام ایک ہی کرنا ہے اگر نفس کے تقاضے سے کیا جائے اور خدا کے حکم کی پرواہ نہ کی جائے تو سرکشی اور کفران ہے۔ اور خدا کے حکم سے خدا کی رضا کے لئے کیا جائے تو بندگی اور عین ایمان ہے۔

اب ہم عبادت بھی کرتے ہیں تو اس میں نفسانی اغراض شامل ہوتی ہیں۔ پھر حکمرانی اور جہاں بانی بھی کریں گے تو یہ خدا کی رضا کے لئے ہوگی اور عین عبادت ہوگی۔ کام کچھ مشکل نہیں بس ذرا سا دل پر جبر کرنا ہے اور اس کے رُخ کو سیدھا کرنا ہے۔ بالفاظ دیگر خودی کو چھوڑنا اور خدا کا ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ عمل کرنیکی توفیق دیں، آمین۔

SAMEER & CO
Deals with:
PLY WOOD, HARDWARE, PAINTS ETC
ایک بار آزمایئے، بار بار تشریف لایئے
H.O: K.P. ROAD ISLAMABAD
Contact Nos: 9419040053

اجلاسِ نبوی ﷺ

محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو دین نامکمل ہے

ایک روز نبی کریم ﷺ حضرتِ علیؓ کے ہاں تشریف فرما تھے اصحابِ ثلاثہؓ بھی حاضرِ خدمت تھے۔ حضرتِ علیؓ نے ایک صاف اور روشن طشت میں نہایت اعلیٰ درجے کا شہد حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ شہد میں ایک بال بھی تھا۔ حضورِ اقدس ﷺ نے دیکھ کر فرمایا، طشت، شہد اور اس میں نظر آنے والا بال بعض اسرار ومعارف کے آئینہ دار ہے کیا آپ حضرات بتا سکتے ہیں کہ وہ اسرار و معارف کیا ہے؟

حضرت ابوبکرِ صدّیقؓ نے فرمایا: مومن کا دل اس طشت سے زیادہ درخشاں ہے۔ اس کا ایمان شہد سے زیادہ شیرین ہے۔ اس ایمان کو آخری دم تک لے جانا بال سے باریک تر ہے۔

حضرتِ عمر فاروقؓ نے فرمایا: بادشاہت اس طشت سے زیادہ بہتر ہے۔ حکمرانی شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔ عدل وانصاف اس بال سے زیادہ باریک تر ہے۔

حضرتِ عثمان غنیؓ نے فرمایا: علمِ دین اس طدت سے زیادہ روشن ہے۔ اس کا پڑھنا شہد سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔ اس پر عمل کرنا بال سے باریک تر ہے۔

حضرتِ علیؓ نے فرمایا: مہمان اس طشت سے زیادہ روشن ہے۔ مہمان کی خدمت شہد سے زیادہ لذّت رکھتی ہے۔ مگر مہمان کی خوشنودی اور دلنوازی بال سے باریک تر ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ بیٹی فاطمہؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا بیٹی فاطمہ تم نے کچھ نہیں کہا! صحابہؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول ﷺ فاطمہؓ نے جواب دیا۔

حضرتِ فاطمہؓ نے فرمایا: عورت کی حیا اس طشت سے زیادہ روشن ہے۔ اس کے چہرے پر نقاب یا چادر شہد سے زیادہ میڈھی ہے۔ نگاہِ نامحرم سے بچنا بال سے باریک تر ہے۔

حضرتِ جبرئیلؑ حاضرِ خدمت ہوکر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ راہِ راست اس طشت سے زیاشہ روشن ہے۔ اس راہ پر چلنا شہد سے زیادہ لذّت رکھتا ہے۔ اسپر آخری دم تک قائم رہنا بال سے باریک تر ہے۔

پھر حضور ﷺ گویا ہوئے: معرفتِ الٰہی اس طشت سے زیادہ منور ہے۔ معرفت سے آگہی شہد سے زیادہ شیرین تر ہے۔ اور اس سے اپنے دل میں رکھنا بال سے باریک تر ہے۔

پھر حضورِ اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوئی: ارشاد ہوا جنّت اس طشت سے زیادہ صاف اور روشن ہے۔ جنّت کی نعمتیں شہد سے بڑھ کر شیرین تر ہے۔ اور جنّت کو پانے والا راستہ بال سے زیادہ باریک تر ہے۔ (بذل المجہود)

SIRCOMPUTERS
DANGERPORA
ISLAMABAD
Cell No's: 9419412525

ضلع کولگام میں دینی کتابوں کا مرکز
نزدیک صدر ڈاکخانہ کولگام
فون نمبرات: 9858899587, 9906793959

www.khanqah.in

ہفتہ وار
مبلغ
سرینگر کشمیر

27/دسمبر 2013ء جمعۃ المبارک

کشمیر میں بے حیائی شدت سے بڑھ رہی ہے!

گذشتہ برسوں سے کشمیر میں بے حیائی اور بے راہ روی جس شدت سے بڑھ گئی ہے اس کے ہیبت ناک نتائج دھڑ ادھڑ سامنے آرہے ہیں، جسم فروشی، اغوا، عصمت دری، خودکشی قتل وغیرہ وغیرہ کی وارداتیں اس طرح فروغ پانے لگی ہیں کہ پورا کشمیر تباہی اور ہلاکت کے دَلدل میں دھنسا جارہا ہے، نہ کشمیر کا وقار باقی رہا ہے اور نہ ہی عزت وناموس محفوظ ہے۔ جیسے اخباری اطلاعات سے ظاہر ہے کہ گھروں میں اب ''کنواری مائیں'' ہیں اور ''بن باپ'' کے بچے ہیں۔ بیوی نے خاوند کو قتل کر دیا اور اسے افسوس نہیں۔ بہن اور بیٹی بھاگ گئی، بھائی اور باپ پھر بھی منہ دکھانے کے لائق ہیں واہ!۔ خودکشیاں، اب خلاف معمول واقعات میں سے نہیں رہیں، غور کیا جائے کہ اس تباہی اور بربادی کا ذمہ دار کون ہے تو ذہن کے دھندلکوں سے ہر اس شخص کی شبیہہ ابھرتی ہے جو اس آگ میں یا تو جھلس گیا ہے یا جسے اپنے جھلس جانے کا بھی احساس نہیں۔ مشہور صحابی اور مفسر قرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کی عقلیں اُٹھالی جائیں گی یہاں تک کہ (ہزاروں) میں ایک آدمی بھی عقلمند نظر نہ آئے گا۔!

یہی کچھ کشمیر میں ہوا۔ لوگوں کی عقلیں ان کے گناہوں کے سبب میں اُٹھالی گئیں، ادھر ٹیلی ویژن نے گھروں میں باپ بیٹی اور ماں بیٹے اور بہن بھائی کے درمیان تمام ''امتیازات'' مٹا دیئے، ننگے جسموں اور گندے مکالموں نے گھر میں نہ باپ کا دبدبہ باقی رکھا اور نہ ہی بیٹی کی شرافت بچ سکی، رشتے گالی گلوچ کی عبارت بن گئے، پھر بھی لوگ ہیں کہ ٹیلی ویژن گھروں میں فخریہ طور رکھتے ہیں اور بہنوں اور بیٹیوں کی عزت وناموس سے بے پروا۔!۔ اللہ رحم کرے۔

پہلے وقت میں کوئی ناچ گانا دیکھتا تو دیکھنے کے باوجود اسے برا سمجھتا تھا اور دوسرے لوگ بھی ایسے شخص سے دور رہتے تھے، ناچنے والی کو نچنیا اور طوائف کہا جاتا تھا، اسے بدچلن کہا جاتا تھا، شریف گھرانوں میں ایسی لڑکیوں اور ایسے تماشوں کے دیکھنے والوں تک کا داخلہ بھی ممنوع تھا۔ مگر اب بے حیائی کے دلدادہ اور مغرب پرست خطیبوں نے اس فحاشی اور بدچلنی کو فن اور آرٹ کی صورت میں پیش کیا ہے، ناچ گانے اور فحاشی کو اب آرٹ کہا جاتا ہے، اور طوائفوں کو آرٹسٹ، اب ہر گھر اس ''آرٹ'' کا دلدادہ بن گیا ہے۔ اور ٹیلی ویژن انہیں خوب ''آرٹسٹ'' بنا رہا ہے۔ یہاں تک کہ اخلاقی دیوالیہ پن کو نئے زمانے کا فیشن بتایا جا رہا ہے۔ نتیجہ کہ خاوند ایسی بیوی سے مشتبہ ہے۔ بچے کو اپنے باپ پر شبہ ہے۔ غرض یورپ اب کشمیر کو اپنی ''قدروں'' کی زد میں لا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں فہم عطا کرے اور ہمارے عیوب ہم پر ظاہر ہوں اور ان عیوب کو دور کرنے کی توفیق بھی عطا فرماوے۔ آمین۔

جواھر القرآن

سورۂ فلق

دوسری قسط

پناہ کے لیے سب سے بہتر کلمات: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دو سورتوں کے نازل ہونے سے پہلے دیگر کلمات کے ذریعہ جنات اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے، جب مُعَوِّذتین نازل ہوئیں تو آپ نے ان کو پڑھنا شروع کر دیا، باقی کو چھوڑ دیا۔ (کیونکہ ان سے بہتر پناہ کے دوسرے الفاظ نہیں ہیں)۔

(سنن الترمذی، رقم ۲۰۵۸).

ابن بطال کا خیال ہے کہ معوذات میں ایسا راز ہے جو قرآن شریف کی کسی دیگر سورت یا آیت میں نہیں پایا جاتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سورتوں کا استعمال دعا کے ایسے جامع کلمات پر ہے جو کہ سحر، حسد، شیطان کے شر اور اس کے وسوسہ وغیرہ بری باتوں کے لئے عام ہیں اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض انہی سورتوں پر اکتفا فرمایا کرتے تھے۔ (الاتقان ۲/۴۰۶)

عقبہ بن عامر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر کا قصہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں جحفہ اور ابواء کے درمیان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، اچانک سخت ہوا کا طوفان آیا، اور کالی گھٹائیں چھا گئیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ﴿أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ پڑھ کر، اللہ کی پناہ مانگنے لگے، اور مجھے بھی حکم فرمایا، اے عقبہ! تو بھی ان کو پڑھ، کیونکہ کسی پناہ مانگنے والے نے ان سے بہتر پناہ نہیں مانگی۔ (سنن ابی داؤد، رقم: ۱۴۶۲، ۱۴۶۳)

سورتوں میں سب سے بہتر سورت: قرآن کریم کی بعض سورتیں بعض سے افضل ہیں، عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ چند آیتیں مجھ پر اس رات ایسی نازل ہوئی ہیں کہ ان جیسی کبھی نہیں دیکھی گئیں، پھر آپ نے ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی۔ (صحیح مسلم، رقم: ۸۱۴)

روزانہ پڑھنے کا حکم: حدیث میں ہے کہ حضرت عقبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے ساتھ تھے، آپ کے قدم پر ہاتھ رکھ کر عرض کرتے ہیں: حضور! مجھے سورۂ ہود یا سورۂ یوسف پڑھا دیجئے آپ نے فرمایا: خدا کے پاس نفع دینے والی کوئی سورۃ قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے زیادہ نہیں دیکھی۔ ایک دوسری روایت میں سب سے محبوب سورت بتایا ہے، أحب إلى الله و أبلغ، اور فرمایا، کہ اگر روزانہ پڑھ سکے تو ضرور پڑھ لیا کر۔ (السنن الکبری رقم: ۷۸۳۹)

صبح شام کا عمل: عقبہ بن عامر سے روایت ہے: کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز (فجر) میں معوذتین تلاوت فرمائی اور مجھ سے فرمایا: عقبہ! رات کو جب سونے لگو تو ان سورتوں کو پڑھ لیا کرو اور جب صبح بیدار ہو تب بھی پڑھ لیا کرو۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ يَقُوْلُ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ فِي صَلَاةٍ وَقَالَ لِي: إِقْرَأْ بِهِمَا كُلَّمَا أَقَمْتَ وَكُلَّمَا نِمْتَ". (السنن الکبری للنسائی رقم: ۷۸۴۴)

ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

گذشتہ سے پیوستہ

اور کہیں استغفار کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا تذکرہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے ''ومن يعمل سوءاً أويظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفوراً رحيما (النساء: ۱۱۰) اور جو کوئی برا کام کرلے یا اپنی جان پر ظلم کرلے پھر وہ اللہ سے استغفار کرلے تو وہ اللہ کو بہت زیادہ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا پائے گا۔

نصوص میں زیادہ تر استغفار کے ساتھ توبہ کا بھی ذکر آتا ہے تو ایسی صورت میں استغفار نام ہوگا زبان سے معافی چاہنے کا اور توبہ نام ہوگا دل اور اعضاء وجوارح کے ذریعہ گناہ سے رک جانے کا۔

اور کبھی کبھی نصوص میں صرف استغفار کا ذکر آتا ہے اور اسی پر مغفرت کا وعدہ ہوتا ہے جیسا کہ ہماری مذکورہ حدیث میں ہے، تو اس کا ایک مطلب علماء نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس سے مراد ایسا استغفار ہے جس کے ساتھ توبہ بھی ہو، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایسا استغفار ہے جو گناہ پر عدم اصرار کے ساتھ پایا جائے جیسا کہ آل عمران کی مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے جو اپنے گناہوں کی وجہ سے استغفار کرتے ہیں اور ان گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک بندہ گناہ کرتا ہے پھر کہتا ہے کہ اے اللہ میرے گناہ کو معاف فرما دیجئے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے ایک گناہ کیا اسے معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف فرماتا ہے اور گناہ پر پکڑ فرماتا ہے، پھر دوبارہ وہ بندہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے رب میرے گناہ کو معاف فرما دیجئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے ایک گناہ کیا اسے معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا ہے اور گناہ پر پکڑ فرماتا ہے اس کے بعد پھر وہ بندہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے رب میرے گناہ کو معاف فرما دیجئے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے ایک گناہ کیا اسے معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا ہے اور گناہ پر پکڑ فرماتا ہے تم جو چاہے کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا، (بخاری ۲/۱۱۱۷، مسلم ۲/۳۵۷) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تمہاری یہ حالت رہے گی کہ جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو تم استغفار کرلو اور معافی مانگ لو تو میں معاف کرتا رہوں گا۔

www.khanqah.in

ڈاڑھی دین اور چہرے کی رونق

بردرانِ اسلام سے گذارش ہے کہ وہ اپنے نظام حیات کے ہر ہر جزیہ پر نظرِ ثانی کریں، اگر وہ شیطانی اور دجالی نظر آئے تو اللہ کے رسول حضرت محمد مدنی (ﷺ) کے نظام حیات کی طرف لوٹ آئیں۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دفعہ خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کتاب اللہ بہترین کلام ہے، اور محمد (ﷺ) کا طرزِ حیات بہترین طرزِ حیات ہے اور بدترین چیزیں نو ایجاد چیزیں ہیں اور ہر بدعت (نئی چیز) گمراہی ہے۔ مذکورہ ارشاد نہایت واضح ہے کسی تشریح کا محتاج نہیں اللہ کے رسول اکرم (ﷺ) کا طرزِ حیات ہی عمدہ اور نفیس ترین طرز حیات ہے، باقی انسانوں کے ایجاد کردہ طُرُق زندگی بدترین اور مہلک ترین نظامہائے حیات ہیں اور اگر اس ''ایجاد بندہ'' کو دین سمجھ لیا جائے تو وہ بدعت ہے اور ہر بدعت بلاشک عظیم گمراہی ہے۔

چہرہ کی آرائش میں بالوں کی بہت زیادہ دخل ہے، جن کے ذریعہ مردانہ اور زنانہ حُسن کا امتیاز قائم ہوتا ہے اور اسے دوبالا کرنے کی سعی بھی کی جاتی ہے۔ آج کے تمدن میں ''بال'' مستقل موضوع بنے ہوئے ہیں انکی کاٹ تراش کیلئے مشینیں ہیں، دُکانیں ہیں، مردانہ طبقہ میں چہرے کا سب سے زیادہ نمایاں شعار ڈاڑھی ہے، جس کو چہرے کی زینت اور شوکت میں بہت زیادہ دخل ہے، جس میں دُنیا کی اقوام کے نظریے مختلف ہوگئے ہیں۔ بعض کے نزدیک ڈاڑھی کا وجود مردانہ حُسن وشوکت کی روح ہے، اور بعض کے نزدیک اس کا عدم یعنی امردیت ہی چہرہ کی زینت اور مصلحت سمجھی گئی ہے، عموماً عیسائی اور مجوس اقوام تمدنی حیثیت سے اور بہت سے مشرک طبقے مذہبی حیثیت سے ڈاڑھی منڈانا ضروری خیال کرتے ہیں، ادھر سکھ، یہود اور جوگیہ ڈاڑھی رکھنے اور اسے چھوڑ دینے کے حامی ہیں، فریقین کے دلائل ومصالح جو کچھ بھی ہوں موضوع گفتگو صرف یہ ہے کہ اسلام نے جانبین کے افراط وتفریط سے الگ ہوکر اعتدال کی راہ اختیار کی ہے، پہلی اقوام کے مقابلہ میں تو ڈاڑھیاں رکھنے کا حکم دیا ہے تا کہ ''ریش تراشی'' میں ان سے تشبّہ منقطع ہوجائے اور دوسرے طبقہ کے مقابلہ میں ڈاڑھی کی کچھ حد بندی کردی ہے تا کہ ''ریش درازی'' میں ان سے تشبّہ منقطع ہوجائے۔ پہلی صورت کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ ارشاد نبوی مروی ہے کہ ''مشرکین کی مخالف کرو، مونچھیں پست کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ'' اور دوسری روایت میں ہے کہ ''مونچھیں کترد و اور ڈاڑھیاں لٹکاؤ'' (بخاری ومسلم)

روایات بالا سے کلی طور پر مخالفت کفار، اسلام کا ایک اہم مقصد ثابت ہوتا ہے اور اسکے ضمن میں نصاً ڈاڑھیوں کا رکھنا واجب قرار پاتا ہے، پھر اس حدیث سے اختصاراً ڈاڑھی منڈانے کی حرمت بھی نکل آتی ہے، کیونکہ اصولی ضابطہ معروف ہے ''الامر بالشئ يقتضى النهى عن ضده'' کسی کام کے کرنے کا حکم دینا اسکے خلاف کے کرنے سے ممانعت کا مقتضی ہے۔ پس جبکہ اس حدیث کی رو سے ڈاڑھی رکھنا واجب ٹھہرا تو اسی حدیث کی رو سے ڈاڑھی نہ رکھنا حرام وناجائز ثابت ہوگیا ورنہ اگر منڈانا حرام نہ ہو تو نہ منڈانا اور ڈاڑھیاں چھوڑنے کا امر ہی باطل ہوجائے گا۔ ان احادیث کو سامنے رکھ کر ان حضرات کو سوچنا چاہیے جو اپنی ڈاڑھیاں محض شوق یا شہوتِ نفس ہی کے ماتحت نہیں بلکہ اعلانیہ کفار کی مشابہت وموافقت کیلئے صاف کرا رہے ہیں گویا اسلام کے اس اہم مقصد (مخالفت کفار) کا خلاف کرنا ہی انکا اہم مقصد قرار پاچکا ہے۔

مسلم قوم ایک مستقل وممتاز ملت ہے جو تمام اقوام وملل سے بالکل علیٰحدہ فطرت سلیمہ کی حامل ومالک ہے، خدا نے اس کو اقوام عالم پر شاہد وعادل بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن آہ! کہ یہ قوم اپنی دینی ومذہبی خصوصیات تو عرصہ ہوا کھو چکی تھی، آج اپنی تمدنی ومعاشرتی امتیازات کو بھی فنا کرتی جارہی ہے، رسم ورواج، تمدن ومعاشرت میں اہل مغرب کی تقلید مسلمان رگ وریشہ میں سرایت کرتی جارہی ہے۔ آج جبکہ دُنیا کی ہر قوم اپنی زندگی اور اپنی قومی وملی خصوصیات کے بقاء وتحفظ کیلئے سرگرم عمل نظر آرہی ہے، مسلمان اپنی قومی وملی خصوصیات وامتیازات کو فرنگیت کے بھینٹ چڑھا کر ان ہی میں جذب ہوتے جارہے ہیں۔

یا للعجب! کل جو قوم اقوام عالم کیلئے جاذب ومصلح تھی، وہ آج کس سرعت کے ساتھ دوسروں میں جذب ہوتی جارہی ہے، اور اسی کو معیار ترقی خیال کیا جاتا ہے حالانکہ اہل بصیرت کے نزدیک یہ انتہائی تنزل وانحطاط اور قومیت کیلئے زہر ہلال سے کم نہیں۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

ڈاڑھی اسلام کے اہم شعار میں سے ہے بلکہ انسانی وفطری اصول سے خواص روجلیت میں سے ہے، لیکن افسوس کہ سب سے زیادہ مسلمان ہی اسکی صفائی کے درپے ہیں اور اس طور سے قومی وملی امتیاز سے قطع نظر فطرت وانسانیت کیلئے بھی مضحکہ خیزی کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

انسان پر عبادت ضروری کیوں؟

ابن جمیل القاسمی

بعض مسلمانوں کے دِل میں یہ خلش پیدا ہوتی ہے کہ ہم عبادت کیوں کریں؟ اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ یا عبادت سے مسلمانوں کے کردار میں بلندی کیوں نہیں آتی؟ عبادت میں لطف کیوں نہیں آتا؟ ہم کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر مسلمان بنتے ہیں، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اللہ کی عبادت کریں گے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنت پر عمل کریں گے، مگر عجیب تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ہم کلمہ گو ہیں، زبان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اقرار کرتے ہیں مگر عملاً عبادت سے بچتے ہیں اور اسکو غیر ضروری سمجھتے ہیں، آخر کیوں؟

سب سے پہلے اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ انسان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے، انسان کس لئے پیدا ہوا ہے اور اس کائنات کا فرض منصبی اور عمل کیا ہے؟ سورۂ ذاریات میں ارشاد ربّانی ہے: ''اور نہیں پیدا کیا جن اور انسان کو مگر عبادت کیلئے''۔ اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کردیا ہے کہ جن اور انسان کو عبادت کیلئے پیدا کیا ہے ہوسکتا ہے اگر عبادت مقصود نہ ہوتی تو ان کو پیدا ہی نہ کیا جاتا ہمیں غور کرنا چاہیے! کیا انسان کے علاوہ تمام کائنات کو بھی عبادت کیلئے ہی بنایا ہے اور وہ اس کام میں ہمہ تن ہر وقت مصروف ہے یا اس کا کوئی اور مشغلہ ہے؟ تمام کائنات تسبیح کرتی ہے، سورۂ حدید میں ارشاد ربّانی ہے ''اللہ کی تسبیح کرتے ہیں سب کے سب جو بھی آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور اللہ زبردست حکمت والے ہیں'' پھر سورۂ حشر میں ارشاد ربانی ہے ''اللہ کی تسبیح کرتے ہیں سب کے سب جو بھی آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور وہ زبردست عظمت والے ہیں'' ان مختلف سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ آسمان اور زمین تمام کائنات اللہ کی تسبیح اور عبادت میں مشغول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑے قوی، غالب، دانا اور حکمت والے ہیں، خالق کائنات، شہنشاہِ کائنات، رازق کائنات، حاکم کائنات اور تمام صفات کے مالک ہیں وہ ہر چیز کو سر انجام دینے پر قادر ہیں، اسلئے تمام مخلوقات ان کی حمد وثنا میں مشغول ہیں، کائنات کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ جمعہ میں یوں ارشاد فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں سب کے سب جو بھی آسمانوں میں ہیں اور جو بھی زمین میں ہیں (کیونکہ وہ) شہنشاہ ہیں، پاک ہیں، زبردست ہیں، حکمت والے ہیں''۔

ممکن ہے کہ ہمارے دِل میں یہ خیال پیدا ہو کہ آسمانوں میں بے شمار فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور باقی بے جان کائنات جانور اور پرندے عبادت نہیں کرتے۔ قرآن کریم نے اس عظیم نکتہ کو واضح کردیا ہے کہ کائنات کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح وحمد وثنا کرتی ہو، مگر ہم کائنات کی تسبیح کو سننے اور سمجھنے سے قاصر ہیں اسلئے ہمیں کائنات کا عبادت کا علم نہیں ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور سب کے سب جو بھی ان کے اندر ہیں اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح اور حمد نہ کرتی ہو لیکن تمہیں ان کی تسبیح سمجھ میں نہیں آتی۔'' انسان کی عبادت تسبیح اور سجدوں پر مشتمل ہے اسی طرح باقی مخلوقات کی عبادت بھی تسبیح اور سجدہ ہے، تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے سامنے سر بسجود ہے، مگر ہم ان کے سجدوں کو دیکھنے سے عاری ہیں، ظاہر ہے کہ انسان کے اعضاء انسان کی گفت وشنید کیلئے بنے ہیں اور کائنات میں سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، حیوانات، نباتات اور بے جان کی کلام اور تسبیح کو سمجھنا اور ان کے سجدوں کا احاطہ کرنا انسان کے دائرۂ عمل اور سمجھ سے باہر ہے اللہ تعالیٰ نے اس انسانی بے عملی کی وجہ سے پیدا ہونے والے شکوک دور کرنے کیلئے دونوں جہاں کے سردار سید الانبیاء والمرسلین محبوب رب العالمین رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تمام کائنات کا مشاہدہ کرایا، آپ نے سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، حیوانات، نباتات وغیرہ سب کو سجدہ کرتے دیکھا اور ان کی تسبیح کو سنا اور تمام انسانوں کیلئے شہادت دی، اس سلسلے میں اللہ جل شانہٗ نے سورۂ حج میں یوں ارشاد فرمایا ہے: کیا آپ نے دیکھا نہیں ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں سب کے سب جو بھی آسمانوں میں ہیں اور جو بھی زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور انسانوں کی کثیر تعداد اللہ کو سجدہ کرتے ہیں''۔

ہاں! کسی کو یہ بھی گمان ہوسکتا ہے کہ پرندوں کا ذکر کہیں نہیں آیا ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات فخر دو جہاں ﷺ کو تسبیح سنا کر اور مشاہدہ کروا کر گواہ بنادیا تا کہ امت کو یقین محکم ہوجائے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات اور پرندے بھی صلوٰۃ وتسبیح میں مشغول ہیں مگر عام انسان ان کو سننے سے قاصر ہیں۔ سورۂ نور میں ارشاد ہے ''کیا آپ نے دیکھا نہیں ہے یقیناً اللہ کی تسبیح کرتے ہیں سب کے سب جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور پرندے بھی جو پر پھیلائے ہوئے ہیں، ان سب کو معلوم ہے کہ ان کی صلوٰۃ کیا ہے اور تسبیح کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے جو وہ کرتے ہیں اور تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کیلئے ہے'' نباتات! پیڑ پودوں میں زندگی ہے ان میں نر اور مادہ ہیں اور ان کے روابط سے درختوں کو پھل لگتے ہیں، نباتات بھی تسبیح اور سجدہ کرتے ہیں، سورۂ رحمٰن میں ہے: ''اور جھاڑیاں اور درخت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں'' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کھیتی بھی تسبیح کرتی ہے اور کسان کو اس ذکر کا ثواب ملتا ہے، کاش! کہ ہماری حکومت اور کاشتکار کو یہ معلوم ہو کہ ''فصلیں اُگانے، پیدوار بڑھانے اور درخت لگانے سے آخرت کا ثواب بھی ملتا ہے اور دُنیاوی دولت بھی''۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع کردیا اور انسان، پہاڑ اور پرندے سب ہی اکھٹے ہوکر صبح وشام حضرت داؤد کے ساتھ یک زبان تسبیح میں مشغول ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کی قوم کو اس نعمت عظمیٰ سے نوازا اور آئندہ آنے والی قوموں کے دلوں میں تمام مخلوقات کی تسبیح کا یقین محکم پیدا کردیا۔

سبحان اللہ! زمین وآسمان کی فضا اس اجتماعی ذکر سے کس قدر گونجتی ہوگی، کیا ہی سماں بندھتا ہوگا، کیا ہی انوار وتجلیات کا نزول ہوگا کیا ہی سرور کی مجلس ہوگی۔ سورۂ ص میں ارشاد ربّانی ہے: ''تحقیق ہم نے پہاڑوں کو تابع کردیا تھا وہ ان داؤد علیہ السّلام کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح کرتے تھے اور (اسی طرح پرندے بھی تسبیح کیلئے) جمع ہوتے تھے مل کر ان کے ساتھ مشغول ذکر رہتے تھے۔

انسان تو اشرف المخلوقات ہے اگر ساری کائنات ہی اللہ تعالیٰ کے ذکر واذکار میں مصروف ہے تو انسان اس نعمتِ عظمیٰ سے کیسے محروم رہ سکتے ہیں؟! قرآن کریم میں سب سے زیادہ ذکر عبادت کا آیا ہے اور اسی سے ہم غافل اور بے پرواہ ہیں، اللہ تعالیٰ انسان کی عبادت کے محتاج نہیں ہیں، کیونکہ ساری کائنات ہی اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے محتاج تو ہم ہیں جو اللہ کی نظر کرم کے بغیر بے سہارا اور عاجز ہیں، عبادت تو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے اور رحمتوں، برکتوں اور نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ کے انوار اور تجلیات سے لطف اندوز ہونے کا ذریعہ ہے جس نے لطف اُٹھایا ہے اور مسرور ہوا وہ عبادت کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ مٹھائی کا لطف تو کھانے والے کو معلوم ہے، صرف مٹھائی کو دیکھنے اور اس کی تعریف سننے والے کیا جانیں؟ اللہ تعالیٰ کیلئے برابر ہے، اگر تمام انسان ایمان لے آئیں اور اللہ کی عبادت کریں یا سارے انسان (نعوذ باللہ) کافر ہوجائیں اور کوئی انسان اللہ کی عبادت نہ کرے، کیونکہ انسان کے علاوہ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے۔

www.khanqah.in

آپ کے پوچھے گئے دینی سوالات

سوال: آج کل عام طور پر شہروں میں زیادہ تر جبکہ دیہات کی طرف بھی بہت ہی یہ رواج بڑھ چکا ہے کہ عام سوتی یا نیلان موزوں پر مسح کر کے نماز ادا کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حدیث میں خفّین پر مسح کا حکم آیا ہے؟

نذیر احمد بٹ۔ کھرم بجبہاڑہ

جواب: وباللہ التوفیق۔ راقم الحروف نے اس مسئلے پر جس انداز سے غور کیا ہے وہ یہ ہے: (الف) وضو میں دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھونا نص قرآنی سے ثابت ہے اور خفین پر مسح کی رخصت قرآن کریم میں موجود نہیں ہے، تیمّم کی رخصت اور خفین پر مسح کی رخصت میں یہ ایک بڑا فرق موجود ہے۔

(ب) وضو میں دونوں قدموں کو ٹخنوں تک دھونا صحیح ترین قولی و فعلی احادیث سے بھی ثابت ہے۔

(ج) صحیح ترین احادیث میں پاؤں دھونے میں بے احتیاطی پر سخت وعید آئی ہے، صحابہؓ کو تنبیہ کرنے کیلئے ایک بار آپ نے باآواز بلند فرمایا: ''ویل للاعقاب من النار'' (جو لوگ وضو میں ایڑیاں خشک رکھیں گے انہیں آگ کی سزا ملے گی) بخاری و مسلم اور حدیث کی تمام کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے۔

قرآن کی نص اور اعلیٰ درجے کی صحیح احادیث کے خلاف پاؤں دھونے کے بجائے خفین پر یا کسی دوسری چیز پر مسح کرنے کا عمل اسی وقت درست ہوگا جب اس کی رخصت اعلیٰ درجے کی صحیح حدیث سے ثابت ہو، ضعیف یا مختلف فیہ احادیث سے نہ رخصت ثابت ہوگی اور نہ ثابت شدہ عمل سے عدول کرنا درست ہوگا، یقین کو چھوڑ کر احتمالات پر عمل صحیح نہیں ہے، اس مسلمہ اصول کو پیش نظر رکھ کر مسئلے کی تحقیق سے جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) صحیح ترین احادیث سے وضو میں صرف خفین (چمڑے کے موزے یا ہلکے جوتے جن میں الگ سے ایڑی لگی ہوئی نہیں ہوتی) پر مسح کی رخصت ثابت ہے، خفین کے علاوہ جرابوں یا عام طور پر مستعمل ہونے والے پتلے موزوں پر مسح کی رخصت کسی ایک متفق علیہ حدیث سے بھی ثابت نہیں ہے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی جس حدیث کا رسائل و مسائل حصہ دوم میں حوالہ دیا گیا ہے اس کو بہت سے ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے، زمانہ حال کے محدثین میں بھی مثال کے طور پر مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے اس کی صحت تسلیم نہیں کی ہے بلکہ اس کی قطعی طور پر وہم قرار دیا ہے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے جو صحیح اور متفق علیہ حدیث مروی ہے وہ صرف خفین پر مسح کی حدیث ہے میں اس کا ایک ٹکڑا یہاں نقل کرتا ہوں: "ثم اھویت لا نزع خفیه فقال دعھما فانی ادخلتھما طاھرتین فمسح علیھما للشیخین وزاد احمد بعد طاھرتین ثم لم امش حافیا بعد" (مجمع الزوائد للامام محمد بن محمد بن سلیمان)

(اور میں جھکا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قدموں سے دونوں خف نکالوں تو آپ نے فرمایا ان دونوں کو چھوڑ دو، اسلئے کہ میں نے ان کو اس حال میں پہنا تھا کہ دونوں قدم طاہر تھے، پھر آپ نے دونوں خف پر مسح فرمایا، یہاں تک بخاری و مسلم میں ہے، امام احمد کی روایت میں لفظ طاہرتین کے بعد اتنا اضافہ اور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خفین پہننے کے بعد میں ننگے پاؤں نہیں چلا۔)

اس حدیث سے تین باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ اس واقعہ کے وقت حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم صرف خفین پہنے ہوئے تھے، قدم مبارک میں نعلین نہ تھے، دوسری یہ کہ خفین کو طہارت کی حالت میں پہننا چاہیے، تیسری یہ کہ دونوں خف ایسے تھے جن میں جوتوں کے بغیر چلا پھر جا سکتا تھا۔ اسلئے آپ نے فرمایا کہ خفین پہن کر انہیں میں چلتا پھرتا رہا ہوں، انہیں نکال کر ننگے پاؤں نہیں چلا ہوں، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کس طرح کے خفین پر مسح کرنا صحیح ہے۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم خفین کو نعلین کی جگہ بھی استعمال فرماتے تھے۔

(۲) جورب کی تعیین میں بھی ائمہ حدیث و لغت کے درمیان اختلافات ہیں اور متعدد محدثین اور اہل لغت نے لکھا ہے کہ جورب، خف ہی کی ایک قسم ہے۔ "قال الطیبی: الجورب لفافة الرجل، وھو خف معروف من نحو الساق، قال الشوکانی فی شرح المنتقی: الخف نعل من ادم یغطی الکعبین، والجرموق اکبر منه یلبس فوقه، والجورب اکبر منه، وقال الشیخ الدھلوی فی اللمعات: الجورب خف یلبس علی الخف الی الکعب للبرد والصیانة الخف الاسفل من الدرن والغسالة"

(عون المعبود شرح ابوداؤد جلد ۱)

(طیبی نے کہا: جورب پاؤں کا لفافہ ہے اور وہ مشہور خف ہے جو قریبا

عام موزوں پر مسح جائز نہیں - 3

☆☆☆

حضرت مفتی مظفر حسین صاحب قاسمی۔ مدظلہ العالی

پنڈلی تک ہوتا ہے، شوکانی نے المنتقی کی شرح میں کہا ہے کہ خف چمڑے کا جوتا ہے جو دونوں ٹخنوں کو ڈھانک لیتا ہے اور شیخ دہلوی نے لمعات میں کہا ہے کہ جورب ایک خف ہے جو خف کے اوپر پہنا جاتا ہے ٹخنے تک، ٹھنڈک سے بچنے کیلئے اور نچلے خف کو میل کچیل اور مستعمل پانی سے بچانے کیلئے۔)

اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''جورب'' ہی کو جرموق اور موق بھی کہتے ہیں اور جوہری و مطرزی نے لکھا ہے کہ موق چھوٹا خف ہوتا ہے جو خف کے اوپر پہنا جاتا ہے اور خرقی نے لکھا ہے کہ جرموق کشادہ خف ہوتا ہے جو خف کے اوپر پہنا جاتا ہے۔'' یہ تمام ائمہ حدیث و لغت متفق ہیں کہ جورب بھی چمڑے کا ہوتا ہے، محدث دہلوی نے اہل لغت کی جو تصریحات نقل کی ہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جورَب تنہا کی جو تعریف کی ہے اگر تسلیم کر لیا جائے تو پھر اختلاف باقی نہیں رہتا اور اگر تسلیم نہ کیا جائے تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ جورب چمڑے کا بھی ہوتا ہے، اسلئے قوی احتمال موجود ہے کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے چمڑے ہی کے جراب پر مسح کیا تھا، اگر چہ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ وہ اونی یا سوتی ہو۔ ان دو احتمالوں کی موجودگی میں ارشاد نبوی ''دع ما یریبک الی مالا یریبک'' (شک کو چھوڑو، یقین کو اختیار کرو) کی بنا پر متیقن چیز کو اختیار کر لینا چاہیئے اور مشکوک کو چھوڑ دینا چاہیے۔

(۳) جن ائمہ حدیث و فقہ نے یہ تسلیم نہیں کیا ہے کہ جورب صرف چمڑے ہی کا ہوتا ہے انہوں نے جراب پر مسح کے جواز کیلئے یہ قید بڑھائی ہے کہ وہ اتنے ثخین و صفیق یعنی گاڑھے اور موٹے اونی یا سوتی کپڑے کا ہو جو باندھے بغیر پاؤں میں رک سکے اور اس میں آسانی سے چلا پھرا جا سکے جس طرح خف میں چلا پھرا جاتا ہے۔ اس قید و شرط (کی تحقیق کیلئے تنقیح المناط کا عنوان دوبارہ دیکھیں) کا ماخذ یہ اصول ہے کہ حتی الوسع حدیثوں کے درمیان اختلاف و احتمال کو دور کیا جائے اور ان کے درمیان تطبیق پیدا کی جائے۔ ان ائمہ کو یہ معلوم تھا کہ صرف خفین ہی پر مسح کا جواز متفقہ اور ثابت شدہ ہے اور جوربین والی حدیث کی صحت متفقہ اور ثابت شدہ نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ ہے۔ جورب کی تعیین و تعریف میں بھی اختلاف ہے۔ اسلئے اگر جورب میں کوئی ایسی قید لگا دی جائے جو اس کو خف کا قائم مقام بنا دے تو اس طرح خفین اور جوربین کی حدیثوں میں تطبیق پیدا ہو جائے گی اور اختلاف و احتمال دور ہو جائے گا۔ اس طرح کی قید و شرط کا اضافہ نہ اس مسئلے کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ اصول شریعت کے خلاف ہے، اگر وہ یہ قید نہ لگاتے تو جوربین والی حدیث پر عمل مشکوک و محتمل ہی رہتا۔

(۴) ان کا ماخذ صحابہ کرامؓ کے وہ بعض آثار بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایسے جرابوں پر مسح کیا ہے جو یا تو بالوں سے بنے ہوئے تھے یا ان کے تلوے چمڑے کے تھے۔ محدث عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں خالد بن سعید سے روایت کی ہے کہ ''حضرت ابو مسعود انصاریؓ ایسے جرابوں پر مسح کرتے تھے جو بالوں سے بنے ہوئے تھے۔'' (عون المعبود جلد ۱/۶۲)

امام بیہقیؒ نے راشد بن نجیح سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ''میں نے حضرت انسؓ کو ایسے جرابوں پر مسح کرتے دیکھا جن کے نچلے حصے چمڑے کے تھے۔'' ان آثار کے پیش نظر بھی اختلاف دور کرنے کیلئے محدثین و فقہاء نے جرابوں پر مسح کیلئے جو شرط لگائی ہے اس کو بے اصل کیوں سمجھا جائے؟ امام احمد بن حنبل کے بارے میں ابن قدامہ کا بیان ہے اور دوسرے حنبلی اماموں کا بیان بھی ہے کہ وہ حضرت مغیرہ والی جوربین کی حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کرتے تھے، لیکن جوربین میں شرط و قید لگا کر انہوں نے مسح کی اجازت آثار صحابہؓ کی بنیاد پر دی تھی۔

(۵) صرف نعلین (جوتوں) پر مسح والی حدیث کا مطلب کیا ہے؟ یہ بات معلوم ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد میں جو نعلین (جوتے) استعمال کیے جاتے تھے، وہ ٹخنوں کے نیچے ہوتے تھے اور قدموں کے اوپر کے حصے کھلے ہوئے ہوتے تھے، انہیں آج کل کے چپل جیسا سمجھنا چاہیے، اب اگر صرف جوتوں پر مسح والی حدیث کو بغیر کسی بحث و تمحیص کے مطلقاً اختیار کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس حدیث نے غسل رجلین کے فرض کو منسوخ کر دیا۔ اب پاؤں دھونے کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ چپل پہنے ہوئے وضو کیجئے اور جب پاؤں دھونے کی باری آئے تو چپل پر ہاتھ پھیر لیجئے پھر اسے اتار کر مسجد میں داخل ہو جایئے اور اطمینان سے نماز ادا کیجئے۔ ظاہر ہے کہ یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک نہیں ہے اور نہ اس حدیث کو یہ مقام حاصل ہے کہ وہ پاؤں دھونے کے فرض کو منسوخ کر سکے۔

اب میں صرف جوتوں پر مسح کرنے کی ان حدیثوں پر چند باتیں عرض کروں گا جن کا حوالہ رسائل و مسائل حصہ دوم میں دیا گیا ہے۔

پہلی بات یہ کہ امام بیہقی اور امام طحاوی نے وہ حدیثیں روایت ضرور کی ہیں لیکن دونوں اماموں نے مفصل بحث کر کے انہیں نا قابل استدلال و نا قابل عمل قرار دیا ہے۔ اور امام بیہقی نے امام بخاری کی حدیث پیش کر کے اس روایت کو صحیح معنی و مطلب کی تعین بھی کی ہے..... صرف جوتوں پر مسح کرنے کی روایت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ چپل پہنے ہوئے بھی پاؤں دھوئے جا سکتے ہیں۔ اس کام کیلئے چپلوں کو پاؤں سے نکالنا ضروری نہیں ہے۔ ایک بار حضرت ابن عباسؓ نے نعلین پہنے ہوئے کچھ لوگوں کو وضو کر کے دکھایا۔ امام بخاری نے اس واقع کو جو روایت کی ہے اس میں پاؤں کے بارے میں الفاظ یہ ہیں: "ثم اخذ غرفة من ماء فرش علی رجله الیمنی حتی غسلھا، ثم اخذ غرفة اخری، فغسل بھا رجله یعنی الیسریٰ، ثم قال ھکذا رأیت رسول اللّٰہ صلّی الله علیه وسلّم یتوضّأ" (بخاری علی حاشیۃ فتح الباری جلد ۱/۱۷۰)

(پھر انہوں نے پانی کا ایک چلو لیا اور اس کو اپنے داہنے پاؤں پر چھڑکا یہاں تک کہ اس کو دھو دیا، پھر ایک دوسرا چلو لیا اور اس سے اپنے بائیں پاؤں کو دھویا، پھر کہا میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے) اس صحیح روایت میں پاؤں دھونے کی تصریح ہے۔

(جاری)

نوٹ: اس شمارے میں شامل اشاعت مضامین و مراسلے وغیرہ سے ادارے کا ہر بات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ مدیر

www.khanqah.in

صحیح عقیدہ کیا ہے؟

احمد بن محمد ابو جعفرؒ (امام طحاوی)

عقائد کا بیان یعنی ایک مؤمن کو کیا عقیدہ رکھنا چاہئے؟ اس میں سب سے پہلے اِنّ اللّٰہ واحد لا شریك لہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ واحد ہیں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ لا شئ مثلہٗ، اللہ کے کوئی مثل نہیں یعنی اللہ جیسا کوئی نہیں۔ قرآن میں یا حدیثوں میں بعض ایسی چیزیں آئی ہیں جیسے یدُاللّٰہ (اللہ کا ہاتھ) رِجل اللّٰہ (اللہ کا پاؤں) تو ان سے کیا مراد ہے؟ انسان جو بھی چیز اللہ کے بارے میں سوچے کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہیں ویسے ہیں۔ جو بھی خیال ذہن میں آئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت اس ذہن میں آ ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ جو خیال آرہا ہے گویا کہ وہ صورتِ خیال میں آرہی ہے تو یہی چیز اُس کی دلیل ہے کہ ایسے نہیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی حقیقت ذہن، خیال، قیاس وعقل میں آہی نہیں سکتی۔ لہٰذا جو بھی خیال، جو بھی قیاس یا جو بھی ان میں کوئی چیز وجود میں آئے کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہیں تو معلوم ہوا کہ ایسے نہیں ہیں کیونکہ وہ خیال، قیاس اور ان جیسی چیزوں میں نہیں آسکتے۔ جیسے کہتے ہیں ہماری نظر (eye-sight) جو ہے اس کی ایک حد ہے۔ آپ نظر کریں گے تو اُس پہاڑ تک یا یا اُس دیوار تک جائے گی اُس کے آگے نظر کا کام نہیں اُس کا اپنا ایک (Limit) حد ہے۔ اِس کے بعد آپ خیال کریں گے کہ اس کے بعد پہاڑ ہیں پھر سونمرگ ہے پھر لداخ ہے پھر یہ پھر وہ پھر چین ہے اور یہ خیال ایک جگہ آپ کا رُک جائے گا اسکی بھی ایک حد ہے۔ اُس کے آگے آپ قیاس کرنا شروع کریں گے پھر کچھ خلا ہوگا یہ ہوگا وہ ہوگا۔ Space خالی ہوگی۔ قیاس کرتے جائیں گے اور اِس کی بھی ایک حد ہے۔ اُس کے آگے وہ کام نہیں کرے گی یعنی یہ جو ہماری صلاحیتیں ہیں یا استعداد ہیں یہ ساری محدود ہیں۔ اب یہاں سے انسان کا قیاس، یہ ساری چیزیں اس کی عقل کا حد، اسکے خیال کا حد، قیاس کا حد، یہ سب خیالات ان سب چیزوں کا جہاں انتہا ہے۔ اُس سے بہت کہیں آگے نبوت کی ابتداء ہے۔ تو نبوت کی انتہا کہاں ہوگی؟ ہمارا تو وہاں تک خیال بھی نہیں ہوسکتا ظاہر ہے۔

اسی لئے انسانیت نبوت کی محتاج ہے کہ انسان کی عقل محدود ہے۔ تو جب بھی اس کا فیصلہ ہوگا، رائے ہوگی، خیال ہوگا، کچھ بھی ہوگا اس کی جو بھی Opinion ہوگی محدود ہوگی اور جو حقیقت ہیں جو حقائق ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں اور وہ لامحدود ہیں۔ تو اب لامحدود کو محدود پیمانے سے کیسے ناپ سکتے ہیں؟ کیسے تول سکتے نہیں؟ ہرگز نہیں تول سکتے!

جو یونان کے فلسفی تھے ان کو یہی دھوکہ لگا کہ اُنہوں نے عقل سے ہی ماورائے عقل کو جسے آپ لوگ Meta-Physics کہتے ہیں جاننا چاہا تو وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔

یہاں تک امام غزالیؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ خواب میں جو چیزیں ان فلسفیوں نے کہی اور کہے گا میں نے خواب میں اُن ساری چیزوں کو سمجھ لیا۔ اُس کو کہا جائے گا کہ یہ پاگل ہے کیونکہ اُنہوں نے عقل سے ماوراء باتیں کہیں۔ اب سوال ہوگا کہ کیا اسلام عقل کے خلاف ہے؟ تو جواب دیا جائے گا کہ اسلام عقل کے خلاف نہیں ہے لیکن عقل کی ایک اپنی حد ہے۔ جیسے کوئی پہاڑ پر جانا چاہے تو اب گھوڑا اُسکو پہاڑ کے دامن تک لے جائے گا۔ اگر اُسی گھوڑے سے وہ اس step پہاڑ پر چڑھنا چاہے گا تو Headlong کرکے نیچے گر جائے گا۔ تو گھوڑا یعنی عقل اُس کا کام ہے اس کو صانع کا، خالق کا پتہ دینا۔ غور کرے گا مخلوقات پر، زمین وآسمان، دن رات، اپنے آپ پر، اس پر عقل سے غور کرتا جائے گا تو پتہ چلے گا کہ خالق وہ کیسا ہے اور اُس کے متعلق جو سوال ہیں وہ اب اِس کے دائرے کار کے نہیں ہیں کیونکہ آپ نے دیکھا کہ ان سب ایک حد ہے اور نبوت اُس سے بہت آگے ہیں۔ تو اب جب نبوت کی ابتداء اِس سے بہت آگے ہے تو الوہیت کہاں ہوگی؟ اور نبی کریم ﷺ کا مقام نبیوں میں خاص مقام ہے تمام پیغمبروں میں چُنے ہوئے ہیں یعنی جنہوں نے نبوت کو پورا کیا، مکمل کیا اپنے انتہائی نقطے تک۔ جتنا بھی نبوت کا حد تھا وہاں تک اِس کو لے گئے۔ اُس کے آگے کوئی مقام خالی نہیں رہا۔ اسی لئے نبوت کو کیا کیا گیا؟ بند کیا گیا۔ اب حضور اقدس ﷺ نبوت کے کیا ہیں آخری نبی (خاتم النبیین ﷺ)۔ خاتم کسے کہتے ہیں؟ مہر کو یعنی seal of prophethood جسے ختمِ نبوت کہتے ہیں۔ کیونکہ نبوت میں جتنا بھی مقام تھا وہ وہاں پر پورا ہوگیا۔ اب آگے کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں رہی جس کو کوئی اور آتا اور پورا کردیتا۔ تو نبوت کو ختم کرنے والے نبی کریم ﷺ۔

تو بعض علماء کرام نے فرمایا کہ ہر نبی میں اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا خاص پرتو اُس میں ہوا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت کا کسی ایک صفت کا بالخصوص ظہور اُس نبی سے ہوا کرتا اور اُس نبی میں اُسی صفت کا ''ظل'' یا اُس کا پرتو یا عکس ہوا کرتا اور نبی کریم ﷺ کا تعلق ذاتِ الٰہی سے تھا۔ ایک تو ہیں صفاتِ الٰہیہ، اللہ کی صفات، رحمان ہیں، رحیم ہیں، غفور ہیں، قہار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات تو بہت ہیں اور ذات جو ہے اللہ کا کیا ہے؟ اللہ کی ذات جو ہے وہ تمام صفاتِ کمالیہ کو جامع ہیں۔ ذات میں جمیع صفات موجود ہیں۔ ذات کو صفات سے الگ نہیں کیا نہیں جاسکتا تو ذات جامعِ ذات وصفات ہے۔ یہاں ایک مثال ذہن میں آرہی ہے ہوسکتا ہے موقع کے لحاظ سے نہ ہو لیکن شاید سمجھنے میں کچھ مدد دے اس لئے کہوں گا ورنہ اس قسم کی مجلس ان باتوں کے لئے نہیں ہوتی کہ ایک بزرگ نے اپنے ایک شاگرد کو دوسرے بزرگ کے پاس بھیجا۔ کہا کہ وہ بڑے بُزرگ ہیں، بڑی تعریف کی۔ کہا اس کے پاس جاؤ، یہ کرو وہ کرو اور یہ شاگرد دیکھتا تھا کہ یہ بزرگ اُس بزرگ کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ اب بے چارا گیا۔ اُن دِنوں پیدل جانا ہوتا تھا، پتہ نہیں کتنے دن پہنچا ہوگا۔ تو سلام کلام کے بعد وہ بزرگ اُس کو کہنے لگے ہاں بھئی بولو تمہارے یہودی پیر کیسے ہیں؟ اب اس کو کتنا غصہ آئے گا؟ اپنے بزرگ کو کوئی ایسے لفظ کہے بہرحال جب وہ وہاں سے واپس آگیا۔ تو اپنے بُزرگ نے کہا بھئی حال بتاؤ؟ کہنے لگے حضرت کہاں مجھے بھیجا۔ میرا وقت ضائع کیا، کدھر بھیجا وہ یہ، وہ ایسے ــــــــــ نہیں مجھے بتاؤ۔ اُس نے کیا کہا۔ اب وہ کیسے یہ لفظ زبان پر لائے۔ اب اُن بزرگ نے چونکہ شاگرد تھے مجبور کردیا نہیں جو انہوں نے بتایا آپ اُسکو نقل کرو۔ تو شاگرد نے کہا حضرت اُنہوں نے فرمایا تمہارے یہودی پیرے کیسے ہیں؟ تو یہ سُن کر یہ بزرگ وجد میں آگئے اور بہت خوش ہوئے۔ اب یہ کیوں؟ کیا یہ یہودی تھے نعوذ باللہ ایسا نہیں تھا۔ اِن بزرگ کو اپنی نسبت سمجھ میں نہیں آرہی تھی اور ان کی نسبت تھی موسوی۔ یہ تو میں نے پہلے ہی عرض کردیا شاید یہاں یہ کہنے کی بات نہ ہو لیکن اس بات کو سمجھانے کے لئے کہ ان بزرگ کی نسبت تھی موسوی۔ کہ موسیٰؑ پر جس صفتِ الٰہی کا غلبہ تھا اُسی صفت کا پرتو اُس بزرگ میں تھا۔ اب موسیٰؑ تو پیغمبر تھے یہ تو پیغمبر نہیں تھے۔ کوئی اُمتی پیغمبر کے برابر نہیں ہوسکتا لیکن جتنا بھی اُس کا حصہ تھا اُسی صفت سے تھا۔ اب وہ جہاں پھنسے ہوئے تھے یا جو پریشانی تھی اِن کو تھی معلوم نہیں ہورہی تھی۔ اُنہوں نے اشارہ کردیا۔ تو غرض یہ کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکت جامع صفات وکمالات ہیں۔ اُن کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے ہے اور اس نسبت میں ابراہیمؑ بھی حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ہیں یعنی حضور اقدس ﷺ کا مقام تو سب سے اُونچا اُس میں کوئی شک نہیں لیکن ابراہیمؑ بھی شریک ہیں جیسے ہم درودِ ابراہیم میں پڑھتے ہیں۔

بحرحال تو نبی کریم ﷺ کا مقام کتنا عظیم لیکن الوہیت کے سامنے کپکپا رہے ہیں، تھرتھرا رہے ہیں جب الوہیت کا مقام آتا ہے۔

ایک بار ایک اعرابی آگئے تو کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم مارے گئے۔ ہمارے لئے اللہ کے سامنے سفارش کیجئے۔ تو حضور اقدس ﷺ کو یہ لفظ سُن کر غشی آگئی، بے ہوش گئے۔ کیا آگئی؟ غشی آگئی۔ تو پھر صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اُس نے تو سیدھی بات کہی، سفارش کیجئے۔

ارے دیکھا نہیں اُس نے کیا کہا۔ وہ کون ہے جو وہاں سفارش کر سکے۔ اللہ کی ہستی کتنی بلند کتنی بالا کتنی اونچی وہ کون جو سفارش کرے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ جو سفارش کرنے والا ہے اُسکی سفارش کا اثر اُس ذات پر ہوگا جس کے پاس سفارش کی جارہی ہے اور اللہ تعالیٰ اثر لینے سے پاک ہیں، منزہ ہیں، بہت بہت بلند ہیں۔ تو وہاں اُس کا گذر نہیں۔ ہاں جو سفارش ہوگی وہ تو اللہ کے اِذن سے ہوگی نہ یہ کہ کوئی خود آئے اور کہے کہ حضرت آپ یہ کیجئے۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ سے فرمائیں گے آپ مانگئے کیا مانگنا چاہتے ہیں؟ ہم آپ کو خوش کردیں گے۔ وَلسوف یعطیك ربُّك فترضٰی۔ تو وہیں سے کہا جارہا ہے یہ۔ آپ کو ضرور بالضرور اتنا دیں گے کہ آپ راضی ہوجائیں گے۔ اے محمد ﷺ آپ فکر نہ کیجئے اتنا آپ کو دیں گے کہ آپ راضی ہوجائیں گے تو وہیں سے یہ کہا جارہا ہے۔ مقامِ محمود بھی وہی سے دیا جارہا ہے۔ شفاعت و سفارش کا درجہ بھی وہی سے دیا جارہا ہے۔

یہ عرض اس لئے کیا جارہے تا کہ الوہیت کا مقام تو ہم سمجھ نہیں سکتے لیکن کسی درجے میں اسکا تھوڑا سا اندازہ ہو الوہیت کا اور یاد رکھنا چاہئے معرفتُ العبودیہ کیلئے معرفتُ الربوبیہ شرط ہے۔ چونکہ ہمیں معرفت ربوبیہ نہیں ہے اسی لئے ہم بندے بھی نہیں بنتے۔ معرفتُ العبودیہ سے کیا مطلب؟ معرفت کہتے ہیں جاننے کو، سمجھنے کو۔ تو بندگی کی معرفت عبودیت بندگی۔ اب بندہ حقیقی بندہ جیسے اُس کو ہونا چاہئے کب بنے گا، جب یہ اپنے رب کو پہلے پہچانے گا۔ جو جس کو نہیں پہچانتا وہ اس کو مانتا بھی نہیں۔ تو ماننے کے لئے پہچاننا پہلا شرط ہے چونکہ ہماری عبادت ویسی عبادت نہیں بنتی جیسی ہونی چاہئے۔ ہم ویسی عبادت نہیں کرسکتے نہ کرتے ہیں۔ کرسکتے تو ہیں مگر کرتے نہیں کیونکہ پہلی شرط جو ہے معرفت الربوبیت وہ ہمیں حاصل نہیں یعنی اپنے رب کی پہچان نہیں ہے۔

قرآن نے پہلے ہی سمجھا دیا اور اس طرح سمجھا دیا کہ ہر نماز میں اس کا اعادہ کرو سورہ فاتحہ کو شروع کیا۔ الحمد ...... مالك رب العالمین

یہ تین معرفت الربوبیت کی ہیں۔ انسان کا ایک وہ مقام جب وہ اس وجود میں نہیں تھا یعنی عدم میں تھا۔ تو اللہ نے اس کو پیدا فرمایا، اُسکے بعد اسکی حاجات اور اُسکی ضروریات بڑھتی گئی اور اللہ تعالیٰ بدستور صفت رحمان، صفت ربّ اور صفتِ رحمیت سے اس کی پرورش اور اسکے تقاضے پورے کررہے ہیں۔ تو یہ ہر چیز جو اس کو مل رہی ہے اُس سے صف ربّ العالمین، صفتِ رحمانیت اور صفتِ رحمیت کی معرفت اُس کو حاصل ہونی چاہئے ہر دم۔ وہ کون سا لمحہ ہے جب ان برکات کا ظہور اُس پر نہیں ہورہا ہے؟ ہاں اس کے لئے تو دانا و بینا ہونا چاہئے۔ اگر حیوانوں کی طرح سے ہے تو معرفت نہیں ہوگی اور یہ بھی بتادیا دیکھو اسی زندگی میں نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی اُس ہستی کے محتاج رہو گے کیونکہ وہ مالکِ یوم الدین ہیں تمہارے ماضی میں، تمہارے حال میں تمہارے مستقبل میں۔ تم اُسی ہستی کے محتاج ہو۔ وہی ہستی ہے جو تمہاری خالق ہے، تمہاری رازق ہے، تم پر احسان کرنے والی ہے، تمہاری مُنعم ہے تو یہ آیتیں اُس کو رب کی معرفت کروارہی ہیں۔ اب جب اُس نے الحمد.... مالک یوم الدین۔ جب اِن چیزوں پر غور کیا، ان صفات پر غور کیا۔

اب دیکھیے یہاں اللہ تعالیٰ نے خاص صفات کو چُنا۔ اللہ تعالیٰ کی بہت صفات ہیں۔ ربّ العالمین کی صفت کو چُنا، رحمان کی صفت کو چُنا، رحیم کی صفت کو چُنا، مالک کی صفت کو چُنا، ہم اپنے آپ کے مالک نہیں ہیں، بلکہ مالک تو وہ ہیں اور کچھ لوگوں نے اس کو مَلک پڑھا ہے اور مَلک کے معنی بادشاہ۔ بادشاہ بھی حقیقی وہ ہے، مالک بھی وہی ہے۔ بہرحال اگر اس کی تفسیر میں جائیں تو یہ بہت لمبا چوڑھا ہوجائے گا۔ اپنے موضوع سے ہم ہٹ جائیں گے کہ مالک کے معنی، مَلک کے معنی، اسکی معرفت کے معنی، رحمان اور رحیم اور ربّ العالمین۔ لیکن اجمالی طور پر جب بندہ کو ان //

بقیہ صفحہ 7 پر......

بقیہ: صحیح عقیدہ ہی......

چیزوں کی معرفت ہوتی ہے اور اس کو صحیح طریقے سے پڑھتا ہے تو اب اسکو کیا ہوتا ہے۔اسی کو علامہ بیضاوی نے بہت اچھے الفاظ میں کہا ہے۔

اُنہوں نے فرمایا کہ اب اُس کا الترقی من برهان الی الاعیان ہوتا ہے اور اذا اصار الشئ معلوماو مشاہداو معقولا فھو اعیان۔اب اس کے کیا معنی ہوگئے؟ یعنی اس کے معنی ہوگئے کہ جب یہ ان صفاتِ ربّانی پر غور کرتا ہے تو اس کے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کے خالق ہونے کی دلیلیں سمجھ میں آتی ہیں اور دلیل ہی کو کہتے ہیں بُرھان۔ اب یہ تینوں آیتیں دلیل کے درجے میں ہے۔اس کو دلائل آرہے ہیں اپنے خالق اور مالک کی۔اب یہ دلائل اُس پر اتنی واضح ہوتی ہیں جیسے یہ مشاہدہ کررہا ہے۔اب یہ بُرھان سے مشاہدے کی طرف پہنچ گیا۔اس کی کیا دلیل؟۔ابھی الحمد للّٰہ ربّ ...مالك یوم الدین ۔ان میں غائب کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔

آگے ایّاکَ نعبد میں ضمیر خطاب ہورہی ہے۔ابھی تک غائب کی ضمیر استعمال ہورہی تھی کیونکہ دلائل کے درجے میں ہے۔اب یہ دلائل اتنے اس کے ہوگئے کہ صار الترقی من البرهان الی الاعیان مشاہداً یعنی اب غائب سے شہود کی طرف ترقی ہوتی ہے ۔ابھی الحمد للہ ربّ العالمین ...یوم الدین میں غائب کی ضمیر استعمال کررہا تھا اب یہ براہ راست اللہ سے خطاب کرتا ہے۔اے اللہ میں تیری عبادت کرتا ہوں اب تو سامنے ہے،اب تو ایّـاك کہتا ہوں اب یہ نہیں کہتا ایّاہ نعبد میں اسکی عبادت کرتا ہوں،اُسکی کا ضمیرہ استعمال نہیں کرتا۔ اب کہتا ہے اے اللہ میں تیری عبادت کرتا ہوں۔اب یہ اللہ کے سامنے ہے۔اب اس کو ہمکلامی کا شرف حاصل ہورہا ہے ''المصلی یناجی ربهٗ'' ۔حدیث شریف میں ہے کہ نماز پڑھنے والا اپنے رب کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے۔تو اسلئے اب یہاں پر عبودیت آرہی ہے ایاك نعبد ۔اب نعبد میں لفظ عبد ہے ہم عبادت کرتے ہیں ایّاك تیری۔تو عبادت عبودیت کے درجے پر کب پہنچی جب پہلے ربوبیت کی معرفت ہوگئی۔اب وہاں بھی توحید کا اتنا غلبہ ہے پہلے 'نعبد' نہیں لایا۔اپنی عبادت پر نظر نہیں کی۔پہلے اللہ ہی کو 'ایاك' 'تیری'۔پہلے اللہ کو دیکھا اپنی عبادت کو پہلے نہیں دیکھا کیونکہ توحید کے درجے سے گر جاتا کہ اپنی عبادت پر نظر کررہا ہے۔نعبد ایّاک پہلے اپنی عبادت کو لاتے ایسا نہیں لایا بلکہ پہلے کیا کہا ایّاک وہاں بھی اللہ ہی کو دیکھ رہے ہیں پھر اپنی عبادت کو تو درجہ تب کامل ہوگا جب پہلا درجہ کامل ہوجائے گا جبکہ ہمیں معرفت ربوبیت نہیں ہے۔اسی لئے ہم میں عبادت کا رنگ نہیں آرہا ہے اور سب سے افضل ترین مقام بندگی کا ہے،عبدیت کا ہے۔نبی کریم ﷺ کو اعلیٰ ترین مقام جو معراج میں عطا ہوا تھا اُس وقت اللہ نے اُن کو نبی،رسول،حبیب کسی نام سے نہیں پکارا بلکہ بندے کے نام سے پکارا سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ ......الخ بنبیہٖ نہیں کہا،برسولہٖ نہیں کہا۔اعلیٰ ترین مقام یہی ہے معراج میں جو انسانیت کو ملا۔حضور اقدس ﷺ جتنے اونچے مقام پر گئے کوئی نبی وہاں نہیں گیا،کوئی فرشتہ وہاں نہیں گیا۔تو انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو نہ نبی کے نام سے پکارتے ہیں ،نہ رسول کے نام سے پکارتے ہیں بلکہ بندے کے نام سے پکارتے ہیں،سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ ۔الخ تو معلوم یہ ہوا کہ بندگی کا مقام بہت اونچا مقام ہے اور بندے کو بندہ رہ کرہی رہنا چاہیئے ۔اس کو اور چیزوں کی تمنا نہیں کرنی چاہیئے وہ چیزیں خود ملے گی جن کی یہ تمنا کرتا ہے،جن کے خواب دیکھتا ہے۔وہ چیزیں خود ملے گی وہ مقصود نہیں ہیں۔مقصود عبدیت ہے،بندہ بننا ہے اور بندہ کہتے ہیں غلامی کو ۔اللہ تبارک کی صحیح معنوں میں غلامی کرنا۔اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح بندے بننے کی توفیق عطا کرے(آمین)۔

دار العلوم سواء السبیل آپ کی خدمت..........؟

دار العلوم سواء السبیل کھانڈی پورہ کولگام جو محتاج تعارف نہیں،پچھلے تیس سال سے اپنی منزلیں طے کرتے آرہا ہے۔الحمد للہ ہزاروں کی تعداد میں اُمت مسلمہ کے ایمان ویقین اور علم وعمل کو بحر علم وعرفان سے پانی پلاتا رہا،جس کے نتیجے میں سینکڑوں حفّاظ وعلماء اور ائمہ پوری وادی میں پھیلے ہوئے ہیں۔اللہ کے فضل وکرم سے روز بروز یہ علمی وایمانی تشنگی بڑھتی ہی جارہی ہے اور طلباء کی تعداد بھی بڑھتی جارہی ہے۔

لیکن دوسری طرف دار العلوم سواء السبیل میں طلباء کی رہائش کیلئے جگہ کی بہت زیادہ تنگی ہے۔اس سلسلے میں اَب دار العلوم میں کچھ تعمیراتی کام کا آغاز ہونے لگا،مسجد شریف کی تعمیر بھی زیر تکمیل ہے۔اس سلسلے میں اہل خیر حضرات سے تعاوُن کی گذارش کی جارہی ہے،مثلاً: آپ اپنے والدین یا کسی رشتہ دار یا خود اپنے لئے صدقہ جاریہ کیلئے یہ کام کرسکتے ہیں کہ☆ ایک کمرہ آپ اپنے ذمہ لے سکتے ہیں۔☆ کھڑکیاں اور دروازے کی لاگت آپ دے سکتے ہیں۔☆ سیمنٹ یا لوہا خود لا سکتے ہیں یا اس کی لاگت دے سکتے ہیں۔☆ آپ ایک کمرے کیلئے اینٹیں فراہم کرسکتے ہیں۔☆ آپ مزدوروں کی مزدوری دینے میں حصہ لے سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ یہ سارا کچھ آپ دو یا تین مرحلوں میں بھی ادا کرسکتے ہیں۔

آپ کے خیر اندیش۔ خدّام : دار العلوم سواء السبیل کھانڈی پورہ کولگام کشمیر

CHAND SOLARS
NEAR J&K BANK, T.P. BRANCH KULGAM
Cell No's: 9419639044, 9596106546

اپنے غرور سے باز آجا اس سے پہلے کہ تجھ پر مار پڑے!

پیرانِ پیر حضرت **شیخ عبدالقادر جیلانی** رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خطاب

تیری علیٰحدگی اور خدا سے غیر حاضر رہنے نے تجھ کو خدا کے ساتھ مغرور بنا دیا اپنے غرور سے باز آجا اس سے پہلے کہ تجھ پر مار پڑے، ذلیل کیا جائے اور مسلط کردیئے جائیں،تجھ پر بلیات کے سانپ اور بچھو تو نے بلا کا مزہ نہیں چکھا پس ضرور ہوا کہ مغرور یعنی جو کچھ تیرے پاس ہے اس پر اترائے مت کہ یہ سب عنقریب جاتا رہے گا اللہ عز وجل فرماتا ہے یہاں تک کہ جب وہ لوگ اترائے اس مال ودولت پر جو ان کو دی گئی تھی تو ہم نے اچانک ان کو پکڑ لیا جو نعمتیں اللہ پاک کے پاس ہیں ان سے۔بہرہ یابی صبر ہی کی بدولت ہوسکتی ہے اور اسی لئے اللہ پاک نے صبر کی جگہ جگہ تاکید فرمائی ہے فقر اور صبر دونوں جمع نہیں ہوسکتے مگر مومن کے حق میں۔ جو بندے محبّ ہوتے ہیں وہ تکلیفوں میں مبتلا کئے جاتے ہیں،پس صبر کرتے ہیں اور ان کو نیک کاموں کا بلا کے ساتھ ساتھ الہام کیا جاتا ہے اور جو جوئی تکلیف ان کو ان کے رب کی طرف سے پہنچتی رہتی ہے وہ اس پر جمے رہتے ہیں اگر صبر نہ ہوتا تو تم مجھ کو اپنے اندر نہ دیکھتے میں گویا جال بنایا گیا ہوں جو پرندوں کا شکار کرتا ہے،رات بھر کیلئے میری آنکھیں کھولدی جاتیں اور دن میں میرے پاؤں سے جال چھڑا لیا جاتا ہے۔درآنحالیکہ آنکھیں بند رکھی جاتی ہیں اور میرا پاؤں جال میں بند ھا رہتا ہے(کہ کہیں جانہ سکوں اور نصیحت سے آزاد منشوں کو پابندِ شرع اور غلام حق بناتا رہوں) یہ تمہاری ہی مصلحت کیلئے ہے مگر تم پہچانتے نہیں اگر حق تعالیٰ کی موافقت (جو میرے ذمہ فرض ہے) نہ ہوتی تو کون عاقل ہے جو اس شہر میں بیٹھنا گوارا کرے اور اسکے باشندوں میں رہے کہ عام طور پر اس میں ریا ونفاق اور ظلم وشبہات وحرام کی کثرت ہے،حق تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکر گزاری اور نعمتوں سے فسق وفجور پر اعانت حاصل کرنا بڑھا ہوا ہے،کثرت سے وہ لوگ ہیں جو گھر میں بیٹھیں تو درماندہ بیکار بنیں اور دُکانوں پر آئیں تو بڑے پرہیز گار بنیں۔کھانے پینے میں زندیق اور منبر پر آویں تو گویا صدیق ہیں،اگر حکم کا پابند نہ ہوتا تو میں بتا دیتا جو کچھ تمہارے گھروں میں ہے لیکن میرے لئے ایک بنیاد ہے جس کو تعمیر کی ضرورت ہے اور میرے بہت کچھ (روحانی) بچے ہیں جو تربیت کے محتاج ہیں،(پس نصیحت وتبلیغ کی بنیاد پر اصلاح خلق کی تعمیر اور مریدوں کی تکمیل وتربیت کیلئے مجھ کو پردہ پوش بنایا گیا ہے کہ لوگ متوحش نہ ہوں اور پاس آکر منتفع ہوتے رہیں، جو میرے پاس ہے اگر اس میں سے کچھ بھی میں کھولدوں تو وہ میرے اور تمہارے درمیان مفارقت کا سبب بن جائے میں اس حالت میں جسکے اندر اسوقت ہوں انبیاء ومرسلین کی طاقت کا حاجتمند ہوں مجھ کو ضرورت ہے ان کے سے صبر کی جو آدم علیہ السّلام سے میرے زمانے تک گذر چکے ہیں،میں حاجتمند ہوں ربانی قوت کا،اے میرے اللہ لطف اور مدد کر اور رضا نصیب فرما آمین

تو دُنیا میں رہنے اور یہاں کے مزے اُڑانے کیلئے پیدا نہیں ہوا،حق تعالیٰ کی نارضیوں کی جس حالت میں تو مبتلا ہے اس کو بدل تو نے اللہ کی اطاعت میں صرف لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ کہہ لینے پر قناعت کرلی ہے،حالانکہ جب تک اس کے ساتھ دوسری چیز (یعنی عمل کو) نہ ملائے گا یہ تجھ کو نافع نہ ہوگا۔ایمان مجموعہ ہے قول کا اور عمل کا۔ایمان نہ مقبول ہوگا اور نہ مفید جبکہ تو معصیتوں ولغزشوں اور حق تعالیٰ کی مخالفت کا مرتکب ہوگا اور اس پر اڑا رہے گا اگر نماز روزہ اور صدقہ اور نیکوکاریاں چھوڑیگا تو وحدانیت ورسالت کی محض گواہی کیا نفع دے گی؟ جب تو نے لا الٰہ الا اللہ کہا کہ کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے تو توحید کا) مدعی تو بن گیا اب کہا جائے گا کہ بتا کوئی تیرا گواہ بھی ہے؟ وہ گواہ کیا ہے؟حکم ماننا،ممنوعات سے باز رہنا،مصیبتوں پر صبر کرنا،اور تقدیر کے سامنے گردن جھکانا یہ اس دعوے کے گواہ ہیں اور یہ بھی حق تعالیٰ کیلئے اخلاص کے بغیر مقبول نہ ہوں گے کیونکہ کوئی قول قبول نہیں ہوتا بلا عمل کے اور کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا بغیر اخلاص اور سنت کے موافقت کے۔اپنے مال سے جو کچھ ہو سکے فقیروں کی غم خواری کرو۔اگر کسی چیز کے دینے کی طاقت ہو خواہ ذراسی ہو یا بہت سی تو سائل کو واپس نہ کرو۔عطا کو محبوب سمجھنے میں حق تعالیٰ کی موافقت کرو،اور شکر گزار بنو کہ اس نے تم کو اسکا اہل بنایا اور عطا پر قدرت بخشی،تجھ پر افسوس ہے جب کہ سائل اللہ عز وجل کا ہدیہ ہے(جو تیرے پاس بھیجا گیا ہے)اور تو اس کو دینے پر قدرت بھی رکھتا ہے تو ہدیہ کو اسکے بھیجنے والے پر کس طرح رد کرتا ہے؟ میرے پاس بیٹھ کر تو سنتا اور روتا ہے اور جب فقیر آتا ہے تو تیرا قلب سخت بن جاتا ہے،اس سے معلوم ہوا کہ تیرا رونا اور کان لگا کر سننا خالص اللہ کے واسطے نہ تھا میرے پاس بیٹھ کر سننا اولاً باطن سے ہونا چاہیے،پھر قلب سے اس کے بعد اعضاء کو نیکوکاریوں میں مشغول کرنے سے، جب تو میرے پاس آیا کرے تو ایسی حالت سے آیا کر کہ اپنے علم اور عمل اور زبان اور نسب اور حسب سے یکسو ہوکر اور مال اور اہل کو بھولا ہوا ہو،میر سامنے بیٹھ کر ماسوائے اللہ سے قلب کو برہنہ بنا،یہاں تک کہ خدا اس کو اپنے قرب اور فضل واحسانات کا جامہ پہنائے۔ میر پاس آنے کے وقت جب تو ایسا کرے گا تو اس پرندا جیسا بن جائے گا جو صبح کو بھوکا اُٹھتا اور شام کو پیٹ بھر واپس آتا ہے (کہ توکل کے دسترخواں سے بلا کسب شکم سیر ہوتا ہے)حق تعالیٰ کے نور سے قلب کو منور بنا اور اسی لئے جناب رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے ہاے فاسق! ڈر مومن سے اور اپنے معاصی کی گندگی میں لتھڑا ہوا اسکے پاس مت آ کیونکہ وہ اللہ عز وجل کے نور سے اس حالت کو دیکھتا ہے جس میں تو ملوث ہے،وہ دیکھتا ہے تیرے شرک کو تیرے نفاق کو۔

www.khanqah.in

Vol. 14 No: 46 | 27 December 2013 | Friday

Printer,Publisher: Maulana Hamidullah Lone
Editor: Hafiz Mushtaq Ahmad Thoker
Office: Madina Chowk Gawkadal Srinagar
Sub Office: Khandipora Katrasoo Kulgam
Jammu and Kashmir -192232
Postal Adress: Post Box No. 1390 G.P.O Srinager
Ph. No. 01942-2481821 Cell: 09906546004

Widely Circulated Weekly News Paper
MUBALLIG
Kashmir

Decl. No: DMS/PUB/627-31/99
R.N.I. No: JKURD/2000/4470
Postal Regd. No: SK/123/2012-2014
Posting Date: 28-12-2013
Printed at: Khidmat Offset Press Srinager
e-mail: muballigmushtaq@gmail.com
muballig_mushtaq@yahoo.com.in

ایڈز سے بچئے

مفتی نذیر احمد قاسمی

انسان اپنی زندگی میں ہوا اور پانی کے بعد جس طرح غذا کا ضرورت مند ہے، اسی طرح وہ غذا کے بعد دوا اور علاج کا بھی محتاج ہوتا ہے، یہ ضرورت ہر شخص کو لاحق ہوتی ہے، چاہے غریب ہو یا مالدار، مرد ہو یا عورت، طاقت ور ہو یا کمزور بیماری کی گرفت سے کوئی باہر نہیں، اسلئے دَوا کی ضرورت زندگی کیلئے ایک لازمی ضرورت ہے۔

اسلام کی رو سے بیماری درحقیقت انسان کو اسکے عجز و ناچاری کا تصور اُجاگر کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں اس کو خالق حقیقی کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ اس کے حکم و مشیت سے بیماری آتی ہے اور اسی کے فیصلے سے صحت و شفا بھی ملتی ہے۔ ساتھ ہی اسلام بیماری کو ایک امتحان تصور کرتا ہے اور یہ امتحان بیک وقت خود مریض کا بھی ہوتا ہے اور تیمارداری کرنے والے افراد کا بھی۔ اسی لئے اسلام کی رو سے بیمار کو صبر، علاج، پرہیز بیماری سے بچنے کیلئے اور صحت کو واپس لانے کیلئے ہر ممکن اقدام کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور تیماردار کیلئے حکم ہے کہ وہ مریض سے شفقت، ہمدردی اور ممکن حد تک علاج معالجہ کرانے میں مدد کرے، اسلئے کہ اسلام کی نظر میں انسانی جسم انسان کے پاس ایک امانت ہے، اور اس امانت کی حفاظت، امراض و خطرات سے اس کو بچانا اس کا شرعی فریضہ ہے، اسی لئے پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم نے علاج کی تلقین و ترغیب دی، اور خود بھی مرض کے دفعیہ کیلئے علاج کا راستہ اختیار کیا، اب جسم ایک امانت ہے اور اس امانت کے بہت سارے حقوق جن میں مرض سے بچنے کی تدابیر اور مرض ہو جائے تو علاج کرانے کی ذمہ داری اور مریض تیمارداری کا محتاج ہو تو تیمارداری کے فرائض پورا کرنا لازم ہے۔

لہٰذا ایک طرف مریض پر کچھ احکام ہیں اور دوسری طرف تیمارداروں پر بھی کچھ فرائض ہیں، اسلام نے دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبہ کے تمام حقوق و فرائض کی پوری وضاحت سے تعین کر دی ہے اور اعتدال و توازن سے دونوں کے حدود مقرر فرمائے ہیں، ایڈز کا مریض اور اسکی تیمارداری کرنے والے اسکے اقارب بھی ان احکام کے مخاطب ہیں، اسی لئے اسلامک فقہ اکیڈمی آف انڈیا نے اپنے ایک سیمینار میں دوسرے موضوعات کے ساتھ ایڈز کے مریض کے متعلق بھی مقالات لکھوانے کے بعد شرعی فیصلے کئے۔ ذیل میں اسلامی فقہ اکیڈمی کا سوالنامہ اور پھر اکیڈمی کی تجاویز درج ہیں، یہ سیمینار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منعقد ہوا، اور شریعت و طب کے ماہرین کے تحقیقی مقالات اور مباحثہ و مناقشہ کے بعد تجاویز کی صورت میں فیصلے ہوئے۔

ایڈز کا خوف پوری دُنیا پر مسلط ہے، یہ مرض انسانی جسم کے دفاعی نظام کو تباہ کر دیتا ہے، اسکے بعد انسان بڑی تیزی کے ساتھ مختلف موذی اور مہلک امراض میں گرفتار ہو کر دم توڑ دیتا ہے اس مرض کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ یہ مرض بڑی تیزی کے ساتھ پھیلتا ہے، اگر کسی جگہ ایڈز کا مرض کسی شخص کو لاحق ہو گیا تو ضروری احتیاطیں ملحوظ نہ رکھنے پر بہت تھوڑے وقت میں بے شمار افراد کو یہ مرض لاحق ہو جاتا ہے۔

یہ مرض خاص طور پر جنسی عمل اور ایڈز کے مریض کا خون لینے سے منتقل ہو جاتا ہے، یا ماں سے اس بچے کی طرف دوران حمل یا شیر خوارگی سے منتقل ہو جاتا ہے، یوں عام اختلاط سے منتقل نہیں ہوتا۔ ایڈز کے اس مہلک مرض نے مریض اور مریض کے متعلقین کیلئے بہت سے مسائل پیدا کر دئے ہیں ان کے بارے میں شریعت کی راہنمائی درکار ہے۔

۱۔ جس مریض میں ایڈز کے جراثیم پائے جائیں کیا اس کیلئے جائز ہے کہ وہ اپنے گھر والوں یا متعلقین سے اس خوف سے اس مرض کو چھپائے کہ اس مرض کا اظہار ہونے کے بعد وہ اپنے گھر، سماج میں اچھوت بن کے رہ جائے گا، یا اس کیلئے اپنے اہل خانہ اور متعلقین کو اس مرض سے مطلع کر دینا ضروری ہے؟

۲۔ اگر ایڈز کا مریض اپنے اہل خانہ اور متعلقین سے اپنے مرض کو چھپا رہا ہے اور ڈاکٹر بھی اصرار کر رہا ہے کہ وہ اس مرض کو کسی پر ظاہر نہ کرے تو ایسی صورت میں شرعاً ڈاکٹر کی کیا ذمہ داری ہے وہ اس مرض کو راز میں رکھے یا افشاء کر دے۔

۳۔ ایڈز (اور دوسرے خطرناک متعدی امراض مثلاً طاعون وغیرہ) کے مریض کے بارے میں اس کے اہل خانہ، متعلقین اور سماج کی کیا ذمہ داری ہے؟

۴۔ ایڈز کا ایسا مریض جو اپنے مرض اور اسکی نوعیت سے بخوبی واقف ہے اگر وہ کسی دوسرے تک اپنے مرض کو منتقل کرنے کی غرض سے کوئی ایسا کام کرے مثلاً بیوی سے مجامعت کی جس کی وجہ سے ایڈز کے وائرس بیوی میں منتقل ہو گئے یا کسی مریض کو خون دینے کی ضرورت پڑے تو ایڈز کے مریض نے اپنا خون اس کیلئے پیش کیا اور مریض کو وہ خون چڑھایا گیا جس کے نتیجے میں اس مریض کو بھی ایڈز کا مرض لاحق ہو گیا۔ تو کیا ایڈز کا یہ مریض جو دانستہ دوسرے شخص تک اس قاتل مرض کی منتقلی کا سبب بنا ہے قابل سزا قرار پائے گا؟ اور کیا اسے سزا دی جائے گی؟ اور اگر اس نے اپنے مرض کو منتقل کرنے کا ارادہ تو نہیں کیا مگر مرض کو اور اس کے منتقل ہونے کی بات کو جاننے کے باوجود مجامعت کی یا خون دیا تو وہ گنہگار و مجرم ہوگا یا نہیں؟

۵۔ اگر کسی مسلمان خاتون کا شوہر ایڈز میں گرفتار ہو گیا تو کیا اس عورت کو شوہر کے اس مرض کی بنا پر فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا اختیار ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح اگر ایڈز کے کسی مریض نے اپنا مرض چھپا کر کسی عورت سے نکاح کر لیا تو کیا عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے؟

۶۔ جو خاتون ایڈز کے مرض میں گرفتار ہو اگر اسے حمل قرار پائے تو اس کا مرض دورانِ حمل یا دورانِ ولادت یا دورانِ رضاعت بچے کی طرف منتقل ہونے کا طبّی لحاظ سے پورا اندیشہ ہے ایسی عورت کیا بچے تک اس مرض کو منتقلی کے خوف سے اسقاط کرا سکتی ہے؟ اگر عورت اس کیلئے تیار نہ ہو تو کیا اس کا شوہر یا حکومت یا محکمۂ صحت اسے اسقاط پر مجبور کر سکتا ہے؟ کیونکہ ایڈز کا مریض بچہ سماج کیلئے خطرہ ہوگا، اور حکومت کیلئے بڑا بار ہوگا۔

۷۔ جو بچے یا بچیاں ایڈز کے مرض میں مبتلا ہیں کیا انہیں مدارس اور اسکولوں میں داخلے سے محروم کرنا درست ہوگا؟ جب کہ یہ مرض مریض کو چھونے یا اس کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے سے منتقل نہیں ہوتا۔ بلکہ مریض سے جنسی تعلقات پیدا کرنے یا کسی کو خون دینے سے منتقل ہوتا ہے۔ اگر ایڈز کا بچہ کسی سکول میں داخل ہے تو عام حالات میں اس سے دوسرے بچوں میں مرض منتقل ہونے کا خطرہ نہیں ہے، لیکن اس بات کا اندیشہ ضرور ہے کہ مریض بچہ کو چوٹ لگ جائے بچوں کی آپسی لڑائی میں اس کا خون نکل آئے اور وہ خون دوسرے بچوں کو لگ جائے یا دوسرے بچے اس کا خون چھولیں یا جنسی بے راہ روی میں مبتلا ہو کر یہ مرض دوسرے تک منتقل ہو جائے۔

۸۔ اگر کوئی بچہ یا بچی ایڈز کے مرض میں گرفتار ہے تو اسلامی تعلیمات کی رو سے اس بچے یا بچی کے بارے میں اس کے والدین، اہل خانہ اور سماج کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟

۹۔ ایڈز نیز طاعون یا کینسر جیسے امراض جب طبّی لحاظ سے ناقابل علاج مرحلے میں پہنچ جائیں تو کیا اس صورت میں ان کیلئے مرض الموت کا حکم ہوگا؟ اور ایسے مریض کیلئے مرض الموت اور وفات کے احکام جاری ہوں گے؟

۱۰۔ طاعون یا اس جیسے مہلک امراض کے پھیلنے کی صورت میں اگر کسی علاقہ کے اندر حکومت کی طرف سے آمد و رفت کی پابندی لگتی ہے تو شرعاً اس کی حیثیت کیا ہے؟

اس سوالنامہ پر پیش کئے گئے تحقیقی مضامین اور مجلسی مباحثہ کے بعد جو فیصلے ہوئے وہ یہ ہیں:

۱۔ اگر کوئی مرد ایڈز کا مریض ہو مگر اس نے اپنا مرض ظاہر کئے بغیر کسی خاتون سے نکاح کر لیا تو ایسی صورت میں عورت کو فسخ نکاح حاصل ہوگا اور اگر نکاح کے بعد مرد اس بیماری میں مبتلا ہو جائے اور خطرناک حد تک پہنچ جائے تو خاتون کیلئے فسخ نکاح کا حق ہوگا۔

۲۔ ایڈز کی مریضہ اگر حاملہ ہو جائے اور مستند ڈاکٹروں کی رائے میں غالب گمان یہ ہے کہ بچہ بھی اس مرض سے متاثر ہوگا تو ایسی صورت میں حمل میں جان آنے سے پہلے جس کی مدت فقہاء نے 120 دِن رکھی ہے اسقاط کرانے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

۳۔ ایڈز کے مریض کو اگر مرض نے پورے طور پر گرفت میں لے لیا ہو اور وہ زندگی کے معمولات کو ادا کرنے سے معذور ہو گیا ہو تو ایسے شخص کو مرض موت کا مریض سمجھا جائے گا

۴۔ ایڈز کے مریض کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر والوں یا متعلقین کو اس مرض سے مطلع کر دے، اور خود بھی احتیاطی تدابیر کو ملحوظ رکھے۔

۵۔ ایڈز کا مریض اگر اپنے مرض کو چھپانے پر ڈاکٹر سے اصرار کر رہا ہے اور ڈاکٹر کی رائے میں اسکے مرض کو راز میں رکھنے سے اس کے اہل خانہ، متعلقین اور سماج کو ضرر لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہے تو ڈاکٹر کی ذمہ داری ہے کہ وہ محکمۂ صحت اور متعلقہ حضرات کو اس کی اطلاع کر دے۔

۶۔ ایڈز اور دیگر متعدی امراض میں مبتلا افراد کے بارے میں ان کے اہل خانہ اور سماج کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کو تنہا اور بے سہارا نہ چھوڑیں۔ طبّی احتیاطی تدابیر اختیار کرنے اور فراہم کرنے میں پورا تعاون کریں۔

۷۔ ایڈز زدہ بچے بچیوں کو تعلیم سے محروم کرنا دُرست نہیں، ضروری احتیاطی تدابیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے تعلیم و تربیت کا نظم کیا جائے۔

۸۔ ایڈز کے مرض میں مبتلا شخص کا اپنے مرض کی نوعیت سے واقف ہونے کے باوجود اس مرض کو کسی بھی صحت مند انسان کی طرف عمداً منتقل کرنا حرام ہے اور ایسا کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔

اس طرح کے عمل کا مرتکب اس عمل کی نوعیت اور اس فرد یا معاشرے پر بُرے اثرات پڑنے کے اعتبار سے سزا کا مستحق ہوگا۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کے زیر اہتمام مندرجہ بالا فیصلے "طبّی اخلاقیات دائرے اور ضابطے فقہ اسلامی کی روشنی میں" نامی مجلّہ میں اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کی طرف سے شائع کئے گئے۔

اس سلسلے میں یہ امر ملحوظ رہے کہ جن معاملات سے یہ مرض دوسرے میں منتقل نہیں ہوتا، مثلاً ساتھ کھانے پینے سے، مصافحہ کرنے سے، کپڑے اور بستر ہ چھونے سے، ایک ساتھ بیٹھے رہنے وغیرہ سے، ان تمام اُمور میں ایڈز زدہ شخص سے کنارہ کشی کرنا غیر اسلامی حرکت ہوگی، اور جن امور سے اس مرض کی منتقلی ہو سکتی ہے ان میں ضروری احتیاط برتنا ہر شخص کا حق ہے، اسی طرح ایسے مریض سے حقارت کا رویہ برتنا اسے طعن و تشنیع کرنا اس کی غیبت کرنا، اس کا مضحکہ اُڑانا اور اس سبب کی بلا ضرورت کھود کرید کرنا جس سے یہ اس مرض میں مبتلا ہوا شرعاً ہرگز پسندیدہ امور نہیں اور نہ اسلامی اخلاقیات میں اس کی کوئی گنجائش ہے۔

www.khanqah.in